ادب محمدیؐ کی چند جھلکیاں

کسی صحابیؓ نے بلند آوازی سے حضرتؐ کے روبرو کچھ بات کہی۔ غیرت الہیٰ نے جوش کیا، اور یہ عتاب نازل ہوا۔

یا ایها الذین امنو الا ترفعو اصوا تکم فوق صوت النبی ولا تجهر و اله بالقول کجهر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون-

ترجمہ: اے ایمان والو، اونچی نہ کرو اپنی آوازیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر، اور مت آواز بلند کرو، انؐ پر بات کرنے میں جیسے بلند آواز کرتے ہو ایک دوسرے پر کہیں اکارتھ نہ ہوجائیں عمل تمہارے اور تم کو خبر نہ ہو۔ انتھیٰ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی حضرت صدیق اکبرؓ نے قسم کھائی کہ اب حضرتؐ سے ایسی آہستہ بات کرونگا، جیسے کوئی راز کی بات کہتا ہے۔ اور حضرت عمرؓ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بات اس قدر آہستہ کیا کرتے تھے کہ دوبارہ پوچھنے کی ضرورت ہوتی تھی، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

روی کما اخرجه من طریق طارق بن شها ان ابا بکر صدیق لها نزلت هذا الآیة قال لا اکلمک بعدها الا کاخی اسرار و ان عمر کان اذا حدثه کاخی السرار ما کان یسمع رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی لیستفهم کذافی الشفاء و شرحه لعلی القاری اور تفسیر در منشور میں ہے۔

واخرج احمد و عبد بن حمید والبخاری و مسلم و ابو یعلے فی معجم الصحابة و ابن المنذر والطبرانی و ابن مرد و یه والبیهقی فی الدلائل عن انس قال لما نزلت یا ایها الذین امنو الا ترفعوا اصوا تکم فوق صوت النبی الی قوله و انتم لا تشعرون و کان ثابت بن قیس بن شماس رفیع الصوت فقال انالذی کنت ارفع

رَدِّ مُنَافَقَت

مرتبہ

حضرت مولانا صحوی شاہ صاحب قبلہ

اثباتِ علم غیب پر

مفسرِ قرآن بحر العرفان

الحاج حضرت سیدی **مولانا صحوی شاہ صاحب** قبلہ رحمتہ اللہ علیہ

(خلف خلیفہ و جانشین الحاج حضرت سیدی غوثی شاہ صاحب قبلہؒ)

کی معرکتہ الآرا تصنیف

بحمد للہ

بارِ دوم زیور طبع سے آراستہ
آپ کے سامنے موجود ہے

تعوذ و تسمیہ کے بعد درود شریف پڑھ کر
اس کتاب کا مطالعہ کیجئے

الفقیر الی اللہ

غوثوی شاہ

(خلف خلیفہ و جانشین الحاج حضرت پیر صحوی شاہؒ)

رَدِّ مُنافقت

فی قلوبهم مرض
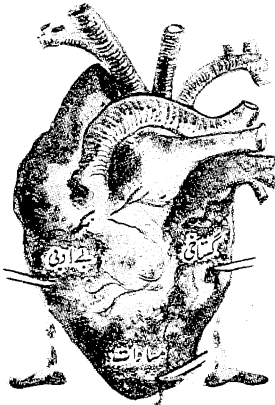
مرتبہ
حضرت مولانا صحوی شاہؒ

بہ اہتمام
مولانا غوثوی شاہ
(خلف خلیفہ و جانشین حضرت سیدی پیر صحوی شاہ صاحبؒ)

بار اول مورخہ ۲۹ / ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ مطابق 8/ اپریل 1978ء بروز دوشنبہ
بار دوم ۴ / شوال ۱۴۱۹ء م 23/ جنوری 1999ء

قیمت : -/50 روپیے

ناشران

☆ شاہ مبشر احمد شاہد (خلف حضرت صحوی شاہؒ) ☆ شاہ فضل الرحمن خالد (خلف حضرت صحوی شاہؒ)
☆ کریم اللہ شاہ فاتح (خلف مولانا غوثوی شاہ) ☆ اکرام اللہ شاہ (خلف مولانا غوثوی شاہ)

ادارہ النور، بیت النور، 845_3_16، چنچل گوڑہ، حیدرآباد۔ (اے۔پی) انڈیا

صلی اللہ علیہ وسلم

انتساب

لقد من اللہ علی المومنین اذا بعث
فیہم رسولا من انفسہم یتلو علیہم ایتہ
و یزکیہم و یعلمہم الکتاب والحکمۃ و
ان کانوا من قبل لفی ضلل مبین ○

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ایک نہ ختم ہونے
والا احسان یہ فرمایا کہ مومنین میں بہت ہی
شاندار رسولؐ کی بعثت فرمائی۔

نسبت خود بہ سگ اش کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت زسگِ کوچہ اُوؐ بے ادبی است

صحویؔ شاہ

٭ حضرت جامیؒ کا شعر قدرے تصرف کے ساتھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ کتاب!

صرف معتدل فکر و نظر کی حامل ہے تاکہ معزز قارئین جذبہ حُبِ محمدؐ ی سے سرشار ہو کر خلوص و للہیت کے ساتھ

خُذ َما صفا دَعَ ماکدر

کے بِمصداق صحیح و غلط کا امتیاز ہونے تک اس کا بار بار مطالعہ کریں۔

(ادارہ)

یہ منافقین ۔۔۔۔

لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لائے مگر وہ حقیقتہً مومن نہیں ہیں، وہ تو صرف خدا اور مومنوں کے ساتھ مکر کرتے ہیں لیکن ہے یہ کہ وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں، اور اُن کو اِس کا شعور نہیں ہے۔
اُن کے دل بیمار ہیں، اللہ نے اُن کے مرض کو اور بھی بڑھا دیا ہے، اور ان کے اس کذب کی وجہ انھیں بڑا ہی درد ناک عذاب ہے۔ ○
(س بقرہ پ، رکوع ۲)

فِی قُلوبِہِم مَرَضٌ کا مطلب؟

○

قرآن نے منافقین کے تذکرہ میں اکثر جگہ اُن کے مرض قلبی کی طرف اشارہ فرمایا ہے چنانچہ قاضی بیضاویؒ اس تعلق سے تشریح کرتے ہیں کہ اس جماعت کے قلوب کفر اور بد اعتقادات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت کے مریض تھے۔

(بحوالہ ترجمان السنّۃ جلد: دوم)

علاماتِ نفاق

- نمائشِ اعمال
- بے جا تاویلات
- مکر و فریب اور حیلہ جوئی
- حضورؐ سے شخصی عناد
- حضورؐ کو اپنے جیسا سمجھنا
- حضورؐ کے عِلم غیب پر اعتراض
- عام گستاخی یا حضورؐ کو صرف بشر ہی سمجھنا
- میلادِ مبارک سے ناخوشی
- جانبدارانہ ذہنیت کے ساتھ عام مسلمانوں سے بغض و دشمنی یا تنفّر
- تفرقہ پردازی
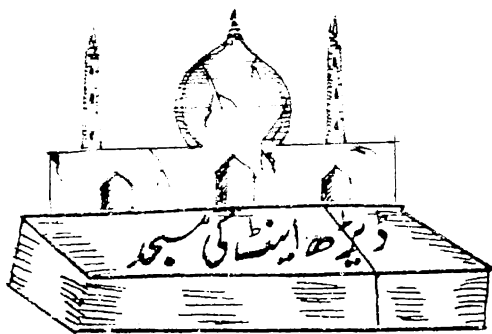
یہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے عہد مبارک کی بات ہے کہ منافقین نے مدینہ طیبہ میں "مسجدِ قبا" کے پاس ہی ایک مسجد اس حیلہ سے بنائی کہ اس میں بیمار و ضعیف لوگ نماز پڑھا کریں گے حالانکہ اس عمل سے انکا اصل مقصد افتراق و انشقاق تھا۔

انھوں نے حضورؐ سے استدعا کی کہ حضورؐ وہاں برکتہً تشریف لاکر (۲) دو رکعات نفل نماز پڑھ لیں مگر اللہ نے اس مسجد کو "مسجد ضرارا" سے تعبیر فرمایا اور حضورؐ کو وہاں نماز پڑھنے سے منع فرمایا تاکہ سست عقیدہ مسلمان اس ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کی تعمیر کو نیک نیتی پر محمول نہ کریں اور خود بھی سادہ لوحی سے وہاں نماز پڑھ کر مرکز گریز نہ ہوجائیں۔ اور آج بھی ایسی بے شمار مسجدیں بنیں اور بنتی چلی جارہی ہیں۔

مومن نفاق کے خطرہ سے خالی نہیں

حضرت امام احمدؒ سے پوچھا گیا کہ جس شخص کو اپنے متعلق نفاق کا خطرہ کبھی نہ گذرتا ہو اس کے متعلق آپ کا ارشاد کیا ہے۔ انھوں نے تعجب سے فرمایا ایسا کون مومن ہوسکتا ہے جس کو اپنے متعلق یہ خطرہ کبھی نہ آتا ہو۔ (جامع العلوم)

(بحوالہء ترجمان السنتہ جلد دوم)

منافقت کی قسمیں

علماء نے نفاق کی دو قسمیں قرار دی ہیں ایک نفاقِ اعتقادیؔ
دوسرا نفاق عملیؔ

نفاقؔ اعتقادی یہ ہے کہ بظاہر تو وہ مسلمان جیسا ہو لیکن بہ اعتبار باطن منحرف عقائد ہو اور "نفاقِؔ عملی" یہ ہے کہ مسلمان کے اندر منافقانہ صفات پیدا ہونے لگیں ڈر ہے کہ کہیں اُس کے اندر یہ اعتبارات پختہ اور مستقل نہ ہوجائیں اس لئے ضروری ہوا کہ حبّ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع رسالتؐ کو لازم کرلیں۔

اس کتاب کی وجہ تسمیہ

●

یہ ہے کہ چونکہ اکثر نوجوان کسی فرد یا جماعت کے ظاہری حُسنِ عمل سے متاثر ہوکر خود بھی وہی عمل اختیار کرلیتے ہیں اور اُن کے ساتھ زیادہ میل جول کی وجہ سے بہت سی ایسی عادتیں پیدا ہوجاتی ہیں جس سے مزاج میں شدّت اور اعتدال سے انحراف پیدا ہوجاتا ہے۔ اپنے بزرگوں کے عمل پر اعتراض ان کی بعض عادتوں پر تنقید، یہاں تک کہ ایک ہی گھر میں مختلف نظریاتی اختلافات کو ہوا مل جاتی ہے اور شدّت عمل کے جذبہ پیہم کی وجہ سے خود حضورؐ کے ساتھ محبت میں کمی بلکہ حضورؐ کی بشریت مبارک اور مساوات پر لب کشائی کی جراءت نفاق عملی کی سراپا تصویر بن جاتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ عمل سے پہلے یا عمل کے ساتھ ساتھ عقائد کی اصلاح ہو تاکہ آدمی مسلم سے مومن ہوجائے اور ایمان اس کے دل میں گھر کر جائے، اور ایمان کی پختہ علامات میں آنحضورؐ سے محبت ان کی عظمت اور ان کو عزیز از جان سمجھنا ہی سب سے اہم ہے۔

ردّ منافقت

.... کا مطلب یہی ہے کہ جن کے اندر آنحضورؐ کے ساتھ نعوذ باللہ برابری کا تصور کارفرما ہے اور وہ حضورؐ کے ساتھ مَساوات کے دھوکے میں مبتلا ہیں اور اپنے ان باطل عقائد کی تبلیغ اور اشاعت میں اولاً حضورؐ کے لئے علم غیب ہی کی نفی کرتے ہیں۔ حضورؐ کی شفاعت پر شبہ یا حضورؐ کے ساتھ بھائی بندی کی نعوذ باللہ گستاخانہ ذہنیت کا فریبِ تصوّر آئندہ اُن کے سلب ایمان اور حبط اعمال کے لئے خدا نہ کرے بہت کافی ہے۔ یہ سب ایسے امراض قلبی ہیں جن کے ازالہ کے لئے ہی چند اہم عنوانات پر قرآن اور حدیث کی روشنی میں قلم برداشتہ لکھا گیا ہے تاکہ قلب کی اصلاح ہو اور ایمان سلامت رہے۔

مسلمانو!

خدا کی طرف رجوع رہو ، اُسی سے ڈرتے رہو ،
نماز کو قایم کرو اور مشرکین میں سے نہ بنو
جنھوں نے اپنے دین میں تفریق پیدا کردی
اور مختلف جماعتوں میں بٹ گئے ○

مُنیبینَ اِلیہ وَ اتقُو واقیموِ الصلٰوۃ وَلاَ
تکونو مِنَ المشرکینَ مِن الذینَ فرقو
ادینَھمُ وکانُو اشیعا ط

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

(علامہ اقبالؒ)

آدابُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وَ تُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ (۹/۲۶)

با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

○

ادب

...... پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

○

عزیز از جان

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ ○

نبیؐ مومنوں کے لئے اُن کی اپنی ذات سے زیادہ عزیز تر ہیں اور اُن کی ازواجِ مطہرات (امّت کی) مائیں ہیں۔ (احزاب ۲۱)

مزار مبارک سید الکونین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
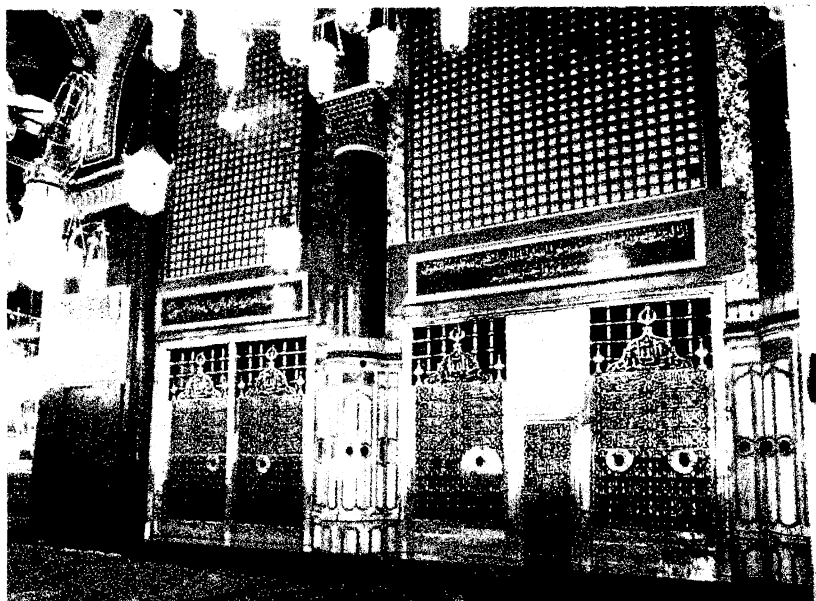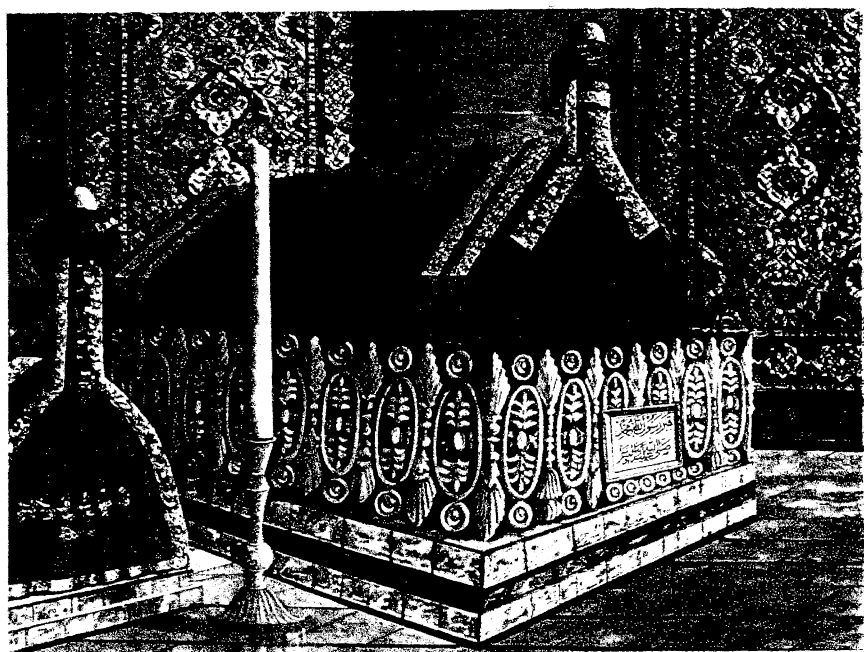
سلام سرورِ کل انبیاءؑ

(یہ سلام آنحضورؐ کے روضہ اقدس کے پاس قدموں کی جانب ٹھہر کر لکھا گیا)

السّلام اے سرورِ کُل انبیاء — السّلام اے تاجدارِ اصفیا

السّلام اے جانِ جملۂ اولیاء — السّلام اے قلب و روحِ اتقیا

السّلام اے ذاتِ پاکِ مصطفیٰؐ — نام تو طاسین و میم مجتبیٰ

السّلام اے منبعِ جود و سخا — السّلام اے مصدرِ بذل و عطا

السّلام اے منشائے حق برملا — السّلام اے صاحبِ اسرار ہا

السّلام اے یاورِ روزِ جزا — السّلام اے شافعِ محشر بپا

السّلام اے نقطۂ آغازِ ما — السّلام اے دینِ ما ایمانِ ما

السّلام اے مسکن و ملجائے ما — السّلام اے مامن و ماوائے ما

السّلام اے جانِ جملہ جا نما — برتو شد از لامکاں صلِّ علیٰ

السّلام اے والیِ شاہ و گدا — بے نوایاں راز تو امید ہا

السّلام اے ساکنِ چشمِ خدا — آستانت برتر از عرشِ علیٰ

السّلام اے دیدِ جانِ جبرئیلؑ — سدرہ اش شد متحیر از نقشِ پا

السّلام اے صادق الوعد و امیں — السّلام اے صاحبِ قول و وفا

السّلام اے مطرحِ آیاتِ حق — السّلام اے مرکزِ نور و ضیاء

السّلام اے باعثِ تخلیقِ کُل — السّلام اے وجہِ بنیا و ہمہ

السّلام اے ساقیِ کوثر بہ جام — السّلام اے قاسمِ انعامہا

السّلام اے ماحیِ کفر و ضلال — السّلام اے حامیِ دینِ ہدیٰ

السّلام اے شاہِ شاہانِ زماں — السّلام اے خواجۂ ہر دو سرا

السّلام اے رحمت للعالمیں — السّلام اے مظہرِ ذاتِ خدا

از جبین شرمسار او بگیر — سجدہ صحوی بحقِ کبریا

دو شنبہ 3 فروری 1975ء محرم ۱۳۹۵ھ (مدینہ طیبہ)

(از حضرت مولانا صحوی شاہ صاحب قبلہ ماخذ: تذکرِ مدینہ)

ادب محمدیؐ کی چند جھلکیاں

کسی صحابیؓ نے بلند آوازی سے حضرتؐ کے روبرو کچھ بات کہی۔ غیرت الٰہیٰ نے جوش کیا، اور یہ عتاب نازل ہوا۔

یا ایها الذین امنو الا ترفعو اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجهر و اله بالقول کجهر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون۔

ترجمہ: اے ایمان والو، اونچی نہ کرو اپنی آوازیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر، اور مت آواز بلند کرو، انؐ پر بات کرنے میں جیسے بلند آواز کرتے ہو ایک دوسرے پر کہیں اکارتھ نہ ہوجائیں عمل تمہارے اور تم کو خبر نہ ہو۔ انتھیٰ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی حضرت صدیق اکبرؓ نے قسم کھائی کہ اب حضرتؐ سے ایسی آہستہ بات کرونگا، جیسے کوئی راز کی بات کہتا ہے۔ اور حضرت عمرؓ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بات اس قدر آہستہ کیا کرتے تھے کہ دوبارہ پوچھنے کی ضرورت ہوتی تھی، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

روی کما اخرجه من طریق طارق بن شها ان ابا بکر صدیق لها نزلت هذا الآیة قال لا اکلمک بعدها الا کاخی اسرار و ان عمر کان اذا حدثه حدثه کاخی السرار ما کان یسمع رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی لیستفهم کذافی الشفاء و شرحه لعلی القاری اور تفسیر در منشور میں ہے۔

واخرج احمد و عبد بن حمید والبخاری و مسلم و ابو یعلے فی معجم الصحابة و ابن المنذر والطبرانی و ابن مرد و یه والبهیقی فی الدلائل عن انس قال لما نزلت یا ایها الذین امنو الا ترفعوا اصوا تکم فوق صوت النبی الی قوله و انتم لا تشعرون و کان ثابت بن قیس بن شماس رفیع الصوت فقال انالذی کنت ارفع

صوتی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حبط عملی انامن اھل النار و حبس فی بیتہ حزینا فتفقدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فالطلق بعض القوم الیہ فقالو افقدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالک قال انا الذی ارفع صوتی فوق صوت النبی صلی اللہ علیہ وسلم واجھر لہ بالقول حبط عملی و انا من اھل النار فاتو النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخبروہ بذلک فقال ھل ھوا ھل الجنۃ فلما کان یوم یمامۃ قتل

ترجمہ :۔ روایت کی بخاری اور مسلم وغیرہ نے کہ جب نازل ہوئی یہ آیت کریمہ یا ایھالذین امنو لاترفعوا۔ ثابت بن قیس بن شماسؓ نے کہا کہ میری ہی آواز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند ہوتی ہے۔ کیوں کہ وہ بلند آواز تھے۔ اب میرے اعمال حبط ہوگئے اور میں دوزخی ہوگیا اس غم میں گھر سے کئی روز باہر نہیں نکلے یہاں تک کہ خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ وہ کہاں ہیں تب چند صحابہؓ ان کے گھر گئے اور یاد فرمائی کا حال بیان کرکے پوچھا کہ تم حاضر کیوں نہیں ہوتے کہا میری ہی آواز حضرتؐ کی آواز سے بلند ہوا کرتی ہے جس سے میرے اعمال حبط ہیں اور ٹھکانہ دوزخ ہے۔

"ادب سے جنت بھی ملی"

صحابہؓ نے یہ واقعہ حضرتؐ سے کہا۔ ارشاد ہوا یہ بات نہیں وہ جنّتی ہیں۔ چنانچہ جنگ یمامہ میں وہ شہید ہوئے۔ انتھیٰ اور ایک روایت یہ ہے۔ واخرج ابن جریر و الطبرانی والحاکم و صححہ و ابن مرودیہ عن محمد بن ثابت بن قیس بن شماس قال لما نزلت ھذالآیۃ یا ایھا الذین آمنو لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھر والہ بالقول ثابت فی الطریق یبکی فم عاصم بن عدی بن عجلان فقال مایبلیک یا ثابت قال ھذا الآیۃ اتخوف ان تکون فی نزلت و انا صیت رفیع الصوت

فمضی عاصم بن عدی الی رسول اللہ علیہ وسلم فاخبرہ خبرہ قال اذھب فادعہ لی فجاء فقال ما یبکیک یا ثابت قال انا صیت اتخوف ان تکون ھذہ الآیۃ نزلت فی فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ام ترضی ان تعیش جید او تدخل الجنۃ قال رضیت ولا ارفع صوتی ابدا علی صوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فانزل اللہ الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ الآیۃ

ترجمہ:۔ روایت کی ابن جریر اور حاکم وغیرہ نے محمدؒ بن قیس بن شماس سے کہ جب نازل ہوئی آیت شریفہ یا ایھا الذین امنو لا ترفعو اصواتکم، تو ثابت بن قیس پر نہایت صدمہ ہوا۔ یہاں تک کہ راستے میں بیٹھ گئے۔ اور زار،زار رونے لگے کہ ہائے سب اعمال اکارتھ گئے۔ اس حالت میں کہیں عاصمؓ ابن عدی کا ادھر سے گذر ہوا۔ پوچھا کیوں روتے ہوئے آئے ثابت نے کہا مجھے خوف ہے کہ یہ آیت میری ہی باب میں نازل ہوئی ہے۔ کیوں کہ میری ہی آواز بلند ہے عاصم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کا واقعہ بیان کیا۔ حضرتؐ نے فرمایا، ان کو میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ حاضر ہوئے حضرتؐ نے براہ شفقت پوچھا۔ کس چیز نے تم کو رُلایا۔ کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری آواز بہت بلند ہے۔ ڈرتا ہوں میں کہ شاید یہہ آیت میرے ہی باب میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم راضی نہیں اس حالت میں کہ جنت میں داخل ہوجاؤ۔ کہا راضی ہوں یارسول اللہ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرونگا۔ انتھیٰ غور کرنے کی جائے کہ صرف اتنی بے ادبی کہ بات کہنے میں آواز بلند ہوجاتے، اس کی یہ سزا ٹھیرائی گئی کہ صحابہؓ کے تمام اعمال اور عمر بھر کی جاں فشانیاں حبط اور اکارتھ ہوجائیں جن کے ایک عمل کے برابر ہماری ساری عمر کے اعمال نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ صحیح حدیثوں میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص "کوہ اُحد" کے برابر سونا خیرات کرے تو صحابیؓ کے ایک مد بلکہ آدھی مد کے برابر نہیں ہوسکتا۔ جس کا وزن پاؤ سیر سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ پھر اس سزاء کو دیکھئے گا تو یہ وہ سزاء ہے جو کافروں کے واسطے مقرر ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اولٓئک حبطت اعمالھم وفی النار ھم خالدون۔

وہ آداب جو حضرتؐ کے ساتھ متعلق ہیں مسلمانوں کو شرعاً معلوم ہونے کی کوئی صورت نہ تھی سوائے اس کے کہ خود حق تعالیٰ اپنے کلام پاک میں بیان فرمادے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس آیت شریف میں ایک ادنیٰ سی بات کو ذکر فرمایا کہ اگر کوئی شخص حضرتؐ کے روبرو پکار کے بات کرے اس کی تمام کی کرائی محنتیں اور سارے اعمال اکارتھ اور برباد ہوجائیں گے۔ اب عاقل کو چاہیے کہ اس پر قیاس کرے کہ جب ادنیٰ سی بے ادبی اور گستاخی کا انجام یہ ہو تو اور گستاخیوں کا کیا حال ہوگا۔ یہاں اور ایک بات سمجھ رکھنا چاہیئے کہ اتنی سی گستاخی کی جو اس قدر سخت سزاء ٹھیرائی اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی درخواست نہ تھی بلکہ منشاء اس کا صرف غیرتِ الٰہی تھا کہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گرِ شان کسی قسم نہ ہونے پائے اسی وجہ سے صحابہ ہمیشہ خائف و ترساں رہتے تھے کہ کہیں ایسی حرکت کوئی صادر نہ ہو جس سے غیرتِ الٰہی جوش میں آجائے پھر جب حضرتؐ اس عالم سے تشریف لے گئے تو کیا ہوسکتا ہے کہ حضرتؐ کی محبوبیت یا غیریت کبریائی میں کوئی فرق آگیا ہو، نعوذ باللہ من ذالک کوئی مسلمان اس کا قایل نہ ہوگا۔ کیوں کہ صفات الٰہیہ میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں۔ پس ہر مسلمان کو چاہیئے کہ آیت موصوفہ **ان تحبط اعما لکم و انتم لا تشعرون** کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظاہر و باطن میں ایسا مؤدب رہے کہ جیسے صحابہؓ تھے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ حضرتؐ کے روبرو ادب کی ضرورت تھی، اب نہیں، اس لئے کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ حامی ہے۔ الحاصل بلند آواز سے حضرتؐ کے روبرو بات کرنے والوں کی وہ سزا ٹھیری جو مذکور ہوئی۔ اور جو لوگ کمال ادب کے ساتھ دبی آواز سے بات کیا کرتے تھے ان کو یہ سرفرازی ہوئی جو ارشاد ہوتا ہے۔

ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولٓئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی لھم مغفرۃ و اجر عظیم۔

ترجمہ: جو لوگ دبی آواز سے بولتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہی ہیں، وہ جن کے دلوں کو آزمایا ہے اللہ تعالیٰ نے واسطے پرہیز گاری کے انھیں کے لئے مغفرت اور بخشش ہے اور ثواب ہے بڑا۔ (انتھیٰ)

سبحان اللہ کس قدر رحمت اور فضل الہیٰ مؤدبوں کے لئے موجزن ہے کہ اگر چہ گنہگار ہوں علاوہ مغفرت گناہ کے بہت بڑے ثواب کا وعدہ دیا جارہا ہے۔

سرمایہ ادب بکف آور کہ ایں متاع آنرا کہ ہست فیض ابد آیدش بدست

اس آیت شریفہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ادب ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہوسکتا۔ یہ دولت ان لوگوں کے حصہ میں رکھی ہے جن کے دل امتحانِ الہیٰ میں پورے اترے اور جن میں کامل طور پر صلاحیت تقویٰ کی موجود ہے۔ اور حق تعالیٰ فرماتا ہے **ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثر ھم لا یعقلون ولو انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیر الھم واللہ غفور رحیم**

ترجمہ : جو لوگ پکارتے ہیں آپؐ کو حجروں کے پیچھے سے یقیناً اکثر ان کے عقل نہیں رکھتے۔ اور اگر صبر کرتے وہ جب تک کہ نکلتے آپؐ ان کی طرف تو ان کو بہتر تھا۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان (انتھیٰ)

اس آیت شریفہ میں جن لوگوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برآمد ہونے کا انتظار نہ کرکے پکارنا شروع کیا تو ان کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ وہ بے عقل ہیں۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا ان کے دماغوں میں کچھ فتور تھا جس کی وجہ سے ان کو مجنوں کہا جائے۔ یا اور کوئی بات ہے تو کسی کتاب میں نہ ملے گا کہ وہ چند دیوانے تھے جو اتفاق کرکے آئے اور گڑ بڑ کرکے چلے گئے بلکہ کتبِ احادیث و تفاسیر سے ثابت ہے کہ بہت بڑے ہوشیار اور ساری قوم کے مدّبر لوگ منتخب ہوکر اس غرض سے آئے تھے کہ شعر و سخن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر اور خطیب پر سبقت لیجائیں اور ذہن و ذکاوت کی داد دیں۔ باوجود اس کے بے وقوف بنائے جارہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منشاء اس کا کچھ اور ہے بات یہ ہے کہ جب تک کسی عقل سلیم میں کجی نہیں ہوتی بزرگوں کی برابری کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اگر کچھ بھی عقل ہو تو آدمی سمجھ سکتا ہے کہ برگزیدگان حق کے ساتھ برابری کیوں کر ہوسکے گی۔ اس لئے یہ تو حق تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔

الحاصل بے وقوفی کا اطلاق اس جماعت پر اسی وجہ سے ہوا کہ بارگاہِ رسالت میں بے ادبی سے پیش آئے اگر کہا جائے کہ جائز ہے کہ کفر کی وجہ سے یہ اطلاق ہوا ہو جس سے عقل معاد کی نفی ہوگئی تو ہم کہیں گے کہ اس آیت شریفہ میں کفر کا کہیں ذکر نہیں بلکہ یہ حکم ان لوگوں پر ہوا جو متصف اس بے ادبی کے ساتھ تھے اور علم بلاغت و اصول میں مصرح ہے کہ ایسے موقعوں میں وصف مسندالیہ کو تاثیر اور دخل ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ نے بھی صارم مسلوم میں لکھا ہے۔

قلنا لا ریب انه لا بدلکل صفة تاثیر فی الحکم والا فالو صف العدیم التاثیر لا یجوز تعلیق الحکم به کمن قال من زنی اکل جلد۔

پس ثابت ہوا کہ اس حکم میں کفر کو دخل نہ تھا۔ بلکہ مدار اس کا اسی بے ادبی پر ہے جو مذکور ہوئی۔

الحاصل حماقت اور بے وقوفی بے ادبوں کی نص قطعی سے ثابت ہے۔ تفسیر "روح البیان" میں لکھا ہے کہ صحابہؓ کا یہ حال تھا کہ اگر حضرتؐ کو پکارنا منظور ہوتا تو ناخنوں سے دروازہ کو ٹھوکتے اور یہ لوگ کہیں سے آئے ہوئے تھے۔ ابو عثمان مغربیؒ کہتے ہیں کہ بزرگوں اور اولیاء اللہ کی خدمت میں براہ ادب پیش آنا آدمی کو مدارج علیا تک پہونچاتا ہے۔ چنانچہ ایک جماعت علماء کا یہ حال تھا کہ اگر کسی بزرگ کی خدمت میں جاتے تو بیٹھے رہتے جب تک کہ وہ خود نہ نکلتے۔ ابو عبیدہ قاسمؒ بن سلام کہتے ہیں کہ میں نے کسی عالم کا دروازہ نہیں ٹھوکا۔ بلکہ جب جاتا بیٹھا رہتا۔ جب تک کہ وہ خود نکلتے۔ کیوں کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ولو انہم صبروا حتی تخرج الیہم** (انتہیٰ) ملخصاً من التفسیر۔ سبحان اللہ علمائے حقانی کی رائے کیا ہی صائب ہوتی ہے۔ بزرگوں کے ادب کرنے کو بھی اس آیت شریفہ سے استنباط کیا۔ ہرچند حدیث شریف **من لم یوقر کبیرنا** وغیرہ سے بھی اس موقع میں استدلال ہوسکتا تھا۔ مگر جب استفادہ خود آیت شریفہ پر ہوسکا تو نور علی نور ہوگیا۔ بہرحال معلوم ہوا کہ اس آیت شریفہ سے عموماً بزرگانِ دین کی تعظیم اور ان کا ادب مستفاد ہوسکتا ہے مگر یہ بات شاید ہر ایک کے سمجھ میں نہ آئے گی اس فہم کے لئے وہ لوگ خاص ہیں جن کی طبیعتیں ادب کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں۔ **وذلک فضل اللہ وھو الموفق والمعین۔** اور بعض لوگ کبھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ حسب عرف و عادت صرف نام کے ساتھ پکارتے ان کو ادب سکھایا گیا کہ **لا تجعلو ادعا الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا۔**

ترجمہ:۔ مت ٹھیراؤ (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کا بلانا درمیان اپنے اس کے برابر جو بلاتا ہے تم میں ایک کو ایک (انتہیٰ)

تفسیر در منثور میں روایت ہے۔ **اخرج ابن ابی حاتم و ابن مردویہ ابو نعیم فی الدلائل عن ابن عباس فی قولہ لا تجعلو ادعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا قال کانو ایقولون یا محمد یا ابوالقاسم فنہاھم اللہ عن ذلک اعظاما لنبیہ فقالوا یا نبی اللہ یا رسول اللہ**

واخرج ابو نعیم فی الدلائل عن ابن عباس فی قوله تعالی لا تجعلو ادعاء الرسول الخ - یعنے کدعا اخدکم اخاہ باسمه ولکن وقوہ وعظمو وقولو الم یا رسول اللّٰہ یا نبی اللّٰہ و اخرج ابن ابی شیتبه و عبد بن حمید و ابن جرید و ابن المنذروا بن ابی حاتم عن مجاهد فی الایة قال امرهم ان یدعوہ برسول اللّٰہ فی لین تواضع ولا یقولو یا محمد فی شجهم و اخرج عبدالرزاق و عبد بن حمید و ابن المنذروا بن ابی حاتم عن قتادہ فی الایة تا امراللّٰہ ان یهاب نبیه و ان یبجل و ان یعظم و ان یفنیحم و یشرف۔

ترجمہ: بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف نام اور کنیت کے ساتھ پکارتے تھے۔ جیسے کوئی اپنے بھائی کو پکارتا ہے۔ پس منع فرمایا حق تعالیٰ نے اس سے مقصود یہ کہ کل عجز و نیاز کے ساتھ یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہہ کے پکارا کریں۔ جس سے عظمت و شرافت اور تعظیم و توقیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر ہوا کرے۔ (انتہیٰ)

الحاصل حق تعالیٰ کو اتنی بات بھی ناگوار ہے کہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی شخص نام لے کر پکارے اور طرفہ یہہ ہے کہ خود حق تعالیٰ نے بھی تمام قرآن شریف میں حضرتؐ کو نام کے ساتھ کہیں خطاب نہ فرمایا، بلکہ جب خطاب کیا **یا ایھا النبی** وغیرہ صفات کمالیہ ہی ذکر کئے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ کمال درجہ کی عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معلوم کرانا حق تعالیٰ کو منظور ہے ورنہ وہی آدمؑ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام جو الوالعزم ہیں کہ جن کو باوجود اس جلالت شان کے نام ہی کے ساتھ برابر خطاب ہوا کیا۔ جیسا کہ قرآن شریف ثابت ہے۔

شعر

یا آدمؑ است یا پدرِ انبیاء خطاب

یا ایھا النبیؐ خطابِ محمدؐ است

حسنِ تخاطب

یا ایہا الذین آمنو الا تقولوا راعنا و قولوا نظرنا ٭

ایمان والو (تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کی طرح) "راعنا" نہ کہو (کیوں کہ اس میں ان کا مقصود گستاخی ہے) بلکہ (حضورؐ کی چشمِ کرم کو اپنی طرف مبذول کرانے کیلئے) "انظرنا" کہو۔ (۱/۱۳)

احترامِ ندا

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا

رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بلاوے کو (عام بلاوا) تصور نہ کرو،

جس طرح تم ایکدوسرے کو آپس میں بلایا کرتے ہو۔۔۔۔۔۔ (۱۵/۱۸)

تعمیلِ حکم

یا ایہا الذین آمنو استجیبو اللّٰہ و للرسولہ اذا دعاکم لمایحیکم

ایمان والو! اللہ اور اس کی پکار کا جواب دو جب وہ پکارے تاکہ تمہیں زندہ کردے۔ (۱۷/۹)

بیجا سبقت

یا ایہا الذین آمنو تقدمو بین یدی اللّٰہ و رسولہ و اتقو اللّٰہ ان اللّٰہ سمیع علیم

ایمان والو اللہ کے رسولؐ سے پہلے کسی معاملہ میں سبقت نہ لے جاؤ اللہ سے ڈرو کیوں کہ وہ ہر طرح سنتا اور جانتا ہے ۔۔۔۔۔ (۱۳/۲۶)

پست آواز

یا ایھا الذین آمنولا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھر واله بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون

ایمان والو! تم اپنی آواز کو نبیؐ کی آواز پر بلند مت کرو اور ان سے اس طرح چلا چلا کر نہ بولو جس طرح تم آپس میں بولا کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ (اس کے نتیجہ میں) تمہارے سارے اعمال اکارت کردیے جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔۔۔۔۔ (۱۳/۲۶)

قلبی تقویٰ

ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول الله اولئِکَ الذین امتحن الله قلوبھم للتقوی

ہاں! جنھوں نے اپنی آواز کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بالمقابل پست رکھا تو یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کا اللہ نے امتحان لیا ۔۔۔۔۔۔۔۔ (۱۳/۲۶)

حکم درود

ان الله وملائکہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلو علیه وسلمو اتسلیما

اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود بھیجتے چلے جارہے ہیں۔

مومنو

تم سب بھی خوئے تسلیم کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلسل درود

صلوٰۃ و سلام

بروحِ اعظم و پاکش درود لا محدود

اللهم صل وسلم علی سیدنا مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد عدد مافی علم الله صلوۃ دائمة بدوام ملک الله۔

وہ رازِ خلقتِ ہستی وہ معنئ مقصود
وہ جانِ صبحِ ازل وہ بہارِ صبحِ وجود
وہ نازنینِ حرم آفتابِ کنجِ حرا
وہ دل کا نور وہ اربابِ درد کا مقصود
وہ سرورِ دو جہاں وہ محمدؐ عربی
بروحِ اعظم و پاکش درودِ لا محدود

(علامہ اقبالؔ)

حضورؐ کا علم غیب

اور

قرآنی شہادت
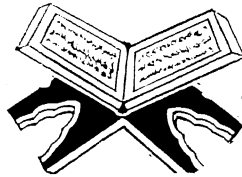
وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ

یعنی

پوچھنے والوں کو غیب کی کوئی اطلاع دینے پر حضورؐ بخیل[1] نہیں۔

---

[1] نعوذ باللہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے علم غیب پر کئے گئے بعض اعتراضات

اور

ان کے جوابات کا سلسلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اعتراض

حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم عسفان سے لوٹتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ صفیہؓ بنت حیی کو آپ نے پیچھے بٹھالیا تھا۔ پھر آپ کی اونٹنی کا پیر پھسل گیا تو آپ دونوں (اونٹنی پر سے) گر پڑے پس ابو طلحہ جلدی سے (اپنے اونٹ پر سے) کود پڑے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ! اللہ آپ پر مجھے فدا کرے (کہیں آپ کو چوٹ تو نہیں لگی؟) آپ نے فرمایا تم عورت کی خبر لو۔ پس ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے منہ پر کپڑا ڈال لیا۔ اور صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان پر چادر ڈال دی اور سواری کو درست کیا۔ پھر دونوں سوار ہوگئے۔ (صحیح بخاری شریف جلد دوم پارہ (۱۲) ص ۸۹ حدیث ۳۲۴ کتاب الجہاد)

میرے عزیز دوست سوچنے کا مقام ہے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہوتا تو اونٹنی کے پھسلنے سے پہلے ہی آپ اتر جاتے یا کم سے کم اونٹنی کا پیر پھسلنے سے پہلے اونٹنی کو تو سنبھال لیتے یا اس کا پیر پھسلنے ہی نہ دیتے مگر میرے عزیز علم غیب سوائے خدا کے اور کسی کو بھی نہیں۔

الجواب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس شدنی (ہونے والے) واقعہ سے باخبر تھے۔ اللہ نے فرمایا

" وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ " (۲۰/۲) آسمان و زمین میں کوئی ایسی چیز نہیں جو کھلی کتاب میں نہ ہو اور کتاب مبین یا لوحِ محفوظ کا حرف حرف حضورؐ کے سینہ پاک پر عیاں تھا اور کوئی چیزؐ کے دسترس علم سے باہر نہ تھی اسی لئے جو کچھ ہونا تھا اس کے لئے حضورؐ پہلے ہی مستعد تیار اور منتظر تھے۔

سوچنے کا مقام تو یہ ہے کہ جب علم غیب کے ذریعہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ پیر پھسلنا اور گرنا ضروری ہی ہے تو اس سے احتیاط اور بچنے کی تدابیر کا کیا ذکر، اور وہ ہوگا بھی کیسے، ہوگا تو وہی جو مقدر ہے! انبیاءؑ تو علم حق کا آئینہ ہوتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو کمالِ علم حق کا محلِ خاص اور سراپائے تمام ہیں، وہ تو وہی کریں گے جس سے منشائے حق کا ظہور ہو اور علم حق کو منصۂ شہود پر لاتے رہنے کا کام تو حضورؐ کی رحمت عامہ کا خاصہ ہے۔

اعتراض

حدیث: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم ایک غزوہ میں تھے میں نے عبداللہ بن ابی کو اپنے کانوں سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو خرچہ و خیرات نہ دو، یہاں تک کہ وہ ان کا ساتھ چھوڑ دیں ۔ اور دیکھو چلنے دو ۔ عزت والا ذلیل کو نکال دے گا (یعنی ہم انھیں مدینہ میں سے نکال دیں گے) میں نے یہ بات اپنے چچا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہہ دی ۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دی ۔ آپؐ نے مجھے بلایا ۔ میں نے جو بات سنی تھی کہدی پھر آپ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے پاس آدمی بھیجا (کہ پوچھو اس نے ایسا کہا یا نہیں ؟) انھوں نے حلف اٹھالیا (یعنی قسمیں کھانے لگے) اور انکار کردیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جھوٹا کہا اور اُن کی بات کو سچ مانا مجھے ایسا رنج ہوا کہ کبھی نہ ہوا تھا ۔ میں اپنے گھر میں بیٹھ رہا ، میرے چچا نے مجھ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے جھوٹا قرار دیا اور تجھ پر غصہ ہوگئے ۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی (یعنی سورہ منافقون) تو آپؐ نے مجھے بلوایا اور وہ آیت سنائی اور فرمایا ، اے زیدؓ اللہ نے تیری تصدیق کی تو سچا ہے ۔ (صحیح بخاری شریف جلد دوم پارہ ۲۰ ص ۶۱۷ ، ۲۰۰۲ سورہ منافقون کی تفسیر کے باب میں) قرآن شریف کے اٹھائیسویں پارہ میں سورہ منافقون کے پہلے رکوع کے اندر پہلی اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔ "تیرے پاس جب منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس بات کے قائل ہیں کے بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں ۔ اللہ جانتا ہے کہ یقیناً تو اس کا رسول ہے ۔ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق بالکل جھوٹے ہیں ۔ انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے پس اللہ کی راہ سے رک گئے ۔ بیشک برا ہے وہ کام جو یہ کررہے ہیں ۔"

اسی سورہ میں اسی رکوع کے اندر آیت نمبر (۷) اور نمبر (۸) میں اللہ تعالیٰ اور زیادہ خلاصہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے ۔

"یہی وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں انھیں کچھ نہ دو یہاں تک کہ وہ ادھر ادھر چلے جائیں ۔ آسمان و زمین کے کل خزانے اللہ ہی کی ملکیت ہے ۔ لیکن یہ منافق بے علم ہیں"

دیکھا میرے عزیز دوست ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو جھٹلایا حالانکہ وہ سچے تھے اور منافقوں کی باتوں کو سچ مان لیا ، حالانکہ وہ جھوٹے تھے یہ سب کیوں ہوا ؟ اس لئے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا سمجھتے ؟ ہرگز نہیں یہ ہو نہیں سکتا کہ باوجود ایک بات کو جانتے ہوئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹ بولیں مگر بات یہ تھی کہ منافقوں کی قسموں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین اور اعتبار آگیا کہ یہ لوگ جھوٹے نہیں ہیں۔ اس لئے ان منافقوں کی بات سچ مان لی تو اسی وقت اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی اور ان منافقوں کا جھوٹ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کی سچائی اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلادی، اور اسی کو کہتے ہیں اطلاع علی الغیب)۔۔۔۔۔۔۔۔

الجواب

یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شریعت و دینِ متین کا پاس و لحاظ تھا اور یہاں ازروئے شریعت صرف حلفی بیان ہی کی اہمیت تھی۔ چنانچہ سورہ منافقون کی پیش کردہ آیتوں میں اللہ نے یہی فرمایا ہے کہ:

"انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔"

اگر حضورؐ اپنے علم غیب ہی کی بناء کوئی فیصلہ فرما دیتے تو بعد کو ان ہی منافقوں کا منھ کھل جاتا اور وہ قانونِ دین و اصولِ اسلام کے عدم نفاذ کا چرچا کر بیٹھتے اور یہ بات حضورؐ کے قلبِ مبارک پر پہلے ہی سے عیاں تھی کہ اظہارِ حقیقت تو بذریعہ وحی اب یا جب ہو ہی جائے مگر حضورؐ کو تو وہی کرنا پڑے گا جو واقعات و شواہد کی روشنی میں ثابت ہو۔

اصل میں یہہ ہے کہ جن کے دلوں میں کھوٹ ہے اور جو حضورؐ کے ساتھ مساواتِ بشریت کے فریب میں مبتلاء ہیں ان کے نزدیک حضورؐ کے لئے علم غیب کا انکار بھی ایک ضروری امر ہے اور ان کے یہاں آدابِ رسالتؐ کی کوئی اہمیت بھی نہیں ہے۔

چنانچہ معترض نے انکارِ علم غیب میں پیش کردہ حدیث کے سلسلے میں لکھا ہے کہ " یہ ہو نہیں سکتا کہ باوجود ایک بات کو جانتے ہوئے بھی حضورؐ جھوٹ بولیں۔" گویا اس جملہ سے معترض کا مافی الضمیر واضح ہوگیا کہ حضورؐ نعوذ باللہ خاکم بدہن بات کو جانتے ہی نہیں تھے اسی لئے جھوٹ کہا۔

استغفر اللہ گستاخی اور جسارت کی بھی انتہا ہوئی، اسی لئے اللہ نے ایسے ہی (بہ ظاہر) قائلینِ رسالتؐ کی شہادت پر گواہی دی کہ حقیقت میں یہی جھوٹے اور منافق ہیں۔

اعتراض

حدیث: حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور میں نے کہا کہ آپ مجھ سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی کیفیت نہیں بیان کرتیں۔ انھوں نے کہا اچھا (سنو کہتی ہوں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے پھر آپؐ نے فرمایا کہ میرے لئے طشت میں پانی رکھ دو (میں نہاؤں گا) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ پس آپ نے غسل فرمایا، پھر کھڑا ہونا چاہا مگر آپ بے ہوش ہوگئے۔ بعد اس کے ہوش آیا تو پھر فرمایا کہ لوگ نماز پڑھ چکے؟ اسی طرح تین مرتبہ فرمایا۔ (مختصر)(صحیح بخاری شریف جلد اول پارہ ۳ ص ۱۶۲، حدیث ۶۴۲ اذان کے بیان میں) یہ حدیث بہت بڑی ہے ہم نے صرف اسی حدیث کا مضمون سمجھانے کی غرض سے مختصر لکھی ہے ہم کو یہ بتانا تھ کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہوتا بار بار کیوں پوچھتے کہ لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے یا نہیں؟

الجواب

افسوس ہے کہ نفی علم غیب کے اثبات میں بے جا سعی میں لگے ہوئے بے فکروں نے کبھی حضور صلعم کے مزاجِ مبارک کی طرف توجہ نہیں کی اور ایسے نازک موقعہ پر بھی آج ساڑھے تیرہ سو سال بعد بھی ان کو انکارِ علمِ غیب ہی کی سوجھی۔ نفسِ حدیث سے ظاہر ہے کہ حضورؐ کسی وقت بھی اپنے فریضۂ ہدایت و رسالتؐ سے بے خبر نہیں تھے اسی لئے اہتمام صلوٰۃ اور اس کے لئے تاکید کو آپؐ نے ضروری سمجھا اور حق تبلیغ و رسالتؐ کو آخر وقت تک پورا فرمایا۔۔۔۔

اور اپنے علم غیب کی بناء پر اگر حضورؐ تاکید صلوٰۃ کے بجائے سکوت فرمالیتے تو بعض تساہل پسندوں اور سست طبع لوگوں کے لئے موقعہ ہی ہاتھ آجاتا جیسا کہ اللہ نے فرمایا "انها لكبيرة الا على الخاشعين۔"

اعتراض

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، جو مجھے علم ہے وہ تمہیں ہوتا تو تم بہت ہی کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے (صحیح بخاری شریف جلد تیسری پارہ ۲۶ ص ۳۲۲ جلد دوم ص ۳۸ حدیث ۱۴۰۱ رقاق کے بیان میں اور ترمذی شریف جلد دوم ص ۳۸ حدیث ۱۷۵ جہاد کے بیان میں بھی ہے)

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو علم و عزت اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی ہے وہ کسی انسان کو تو کیا کسی فرشتے کو بھی نصیب نہیں ہے مگر اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب سمجھنا جہالت ہے۔

قرآنِ کریم کے پانچویں پارہ میں سورہ نساء کے سترھویں رکوع کے اندر آیت نمبر (۱۱۳) میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"اور تجھے وہ سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا تجھ پر بڑا بھاری فضل ہے۔"

نزولِ وحی سے پہلے آپ جو نہ جانتے تھے اس کا علم پروردگار نے آپؐ کو بذریعہ وحی کروایا ((تفسیر ابن کثیر پارہ ۵ ص ۱۰۰)

الجواب

اس حدیث سے واضح ہورہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ علم غیب تھا وہ کثیر ہی تھا اور قرآن حکیم نے بھی اسی بناء پر فرمایا ہے **فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا** اور جو معترض نے آیت (۱۱۳) پیش کی ہے اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ وہ علومِ غیبیہ جن تک عام طور پر کسی ذریعہ سے رسائی ناممکن ہے اللہ نے اپنے فضل سے ایسے سارے مہماتِ امور حضورؐ کے احاطہ علم میں ہمیشہ کے لئے داخل فرمادیئے۔ چنانچہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے۔ **للحمد اللہ علی ذالک۔**

اعتراض

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرضِ وفات میں بار بار دریافت کرتے تھے۔ میں آج کہاں رہونگا (یعنی حضرت عایشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کا انتظار کرتے تھے) پھر جب میرا دن آیا تو اللہ نے آپ کو میرے پہلو اور سینے کے درمیان میں قبض فرمایا۔ (یعنی آپ کا انتقال ہوا) اور میرے ہی گھر دفن کیے گئے۔ (صحیح بخاری شریف جلد اول پارہ ۶، ص ۳۱۳، حدیث ۱۲۲۸ نماز کے بیان میں) اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہوتا تو کیوں پوچھتے۔ کیا ایک بہترین ہستی جو ساری دنیائے جہاں کے لئے صداقت و دیانت کا مجسمہ اور رحمت کا پیکر بنا کر بھیجی جائے وہ باوجود جانتے کے بھی جھوٹ بولے اور خبر ہوتے ہوئے بھی لوگوں سے بار بار پوچھے کہ کل میں کہاں رہوں گا۔ یہ کھلا جھوٹ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک میں ایک قسم کا بہتان ہے۔ مسلمانوں کو ایسے الفاظ کہنے سے رک جانا چاہیئے۔

الجواب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگہہ انصاف میں سب ہی بار پاتے رہے، امہات المومنین کی باریاں بھی برابر ہوئیں اور حضورؐ کے مرض الموت میں بھی کسی کا حق ضایع نہیں ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اندر بھی حضورؐ کی محبت رچی بسی تھی اور وصالِ محبوب کی تمناء تو ہر دل میں ہوتی ہی ہے۔ اس کو تو اپنی خلوتِ خاص میں خود اپنے محبوب کے سایہء سے بھی رشک ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

با سایہ ترانمی پسندم عشق است و ہزار بد گمانی

حضرت عایشہؓ کا بھی یہی حال تھا وہ حضورؐ کی محبت میں دیوانہ وار اور سراپا انتظار ہی رہا کرتی تھیں۔ وہ کب چاہتی تھیں کہ حضورؐ کی آخری ساعتیں کہیں اور بسر ہوں۔

کسی سفر کا واقعہ مشہور ہے کہ حضرت حفصہؓ اور حضرت عایشہؓ حضورؐ کے ہمراہ تھیں اور حضرت حفصہؓ نے دوران سفر میں کسی قیام کے موقعہ پر چپکے سے اپنی سواری کا اونٹ حضرت عایشہؓ کی سواری سے تبدیل کرلیا۔ حضورؐ نے حضرت عایشہؓ کے اونٹ کی طرف عزم فرمایا اور سوار ہوگئے مگر وہاں حضرت حفصہؓ اندر تشریف فرما تھیں۔ سفر شروع ہوچکا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے مجبوراً حضرت حفصہؓ کے اونٹ پر سواری فرمائی۔ حضرت حفصہؓ کے اس دلچسپ مذاق کی وجہ سے جو حضرت عایشہؓ کے ساتھ محض حضورؐ کے جذبہ اشتیاق میں تھا حضرت عایشہؓ کے قلب پر ہجر و فراق کے مصائب ٹوٹ پڑے اور آگے جب ایک منزل پر پڑاؤ ہوا تو حضرت عایشہؓ سواری سے اتریں اور اپنا پیر ایک طرف گھاس میں ڈال دیا اور دردِ محبت کی کراہ کے ساتھ ایک آہ کی اور اپنے رفیق شفیق کو پکار کہا:

"یا اللہ تو مجھ پر کسی بچھو یا سانپ کو بھیج دے تاکہ وہ مجھے ڈس لے کیوں کہ میرا تیرے رسولؐ سے کوئی شکوہ نہیں ہوسکتا۔"

یہہ تھی حضورؐ کے ساتھ محبت کی وہ تڑپ جو حضرت عایشہؓ کو بے چین رکھتی تھی اور ان کی غیرتِ محبت کبھی بھی کسی کو گوارا نہیں کرسکتی تھی ؎

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری غیر کی ہو کے رہے یا شبِ فرقت میری

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن نہ توآں گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن نہ توا ں

ادھر حضورؐ کو بھی اس وجہ سے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ ساری ازواجِ مطہرات میں سب سے کم سن اور یارِ غار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نور چشم و لختِ جگر تھیں جن کا رشتہء اخوت و رفاقت اور جن کی فدائیت و فدویت کے ساتھ خاص تھی بس اسی نسبت کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضورؐ کا متبعی میلان حضرتِ عایشہؓ ہی کی طرف تھا حضورؐ جانتے ہی تھے کہ سفرِ آخرت کے لئے حضرت عایشہؓ کا حجرہ مبارک منزل اوّل ہے اور یہی جسدی آرام گاہ بھی۔ حضورؐ جان چکے تھے جو حضرت عایشہؓ کے اندر کا حال تھا اسی لئے اس خصوص میں بار بار دریافت کا مقصد ظاہر تھا کہ زیر لب استفسار کے تحت حضرتِ عایشہؓ کی مہر بہ لب تمناء کی پذیرائی ہو، اور تسلی خاطر بھی۔

جیسا کہ معترض نے خود بھی قوسین میں لکھدیا ہے کہ (یعنی حضرت عایشہ صدیقہؓ کی باری کا "(حضورؐ)" انتظار کرتے تھے)

تب ہی تو حضرت عایشہؓ نے اس اعزاز کا اظہار بھی فرمادیا کہ

"اللہ نے آپؐ کو میرے پہلو اور سینہ کے درمیان قبض فرمایا اور میرے ہی گھر دفن کیۓ گئے۔"

اعتراض

حدیث: حضرت زینبؓ زوجہ عبداللہ بن مسعودؓ کہتی ہیں کہ میں عیدگاہ میں تھی تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے (عورتوں سے) فرمایا کہ تم لوگ صدقہ دو۔ زینب رضی اللہ عنہا (اپنا مال اپنے شوہر) عبداللہ بن مسعودؓ اور ان یتیم بچوں پر جو ان کی تربیت میں تھے خرچ کیا کرتی تھیں تو انہوں نے حضرت عبداللہؓ سے کہا کہ تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو کہ کیا میرے لئے یہ کافی ہے میں (اپنا مال) تم پر اور اپنے زیر تربیت یتیموں پر خرچ کروں تو انہوں نے کہا تم ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لو۔ چنانچہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی تو میں نے دروازہ پر ایک انصاریہؓ عورت کو دیکھا کہ وہ بھی میری جیسی ضرورت سے آئی تھی۔ پس بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے پاس سے نکلے تو ہم نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو کہ کیا میرے لئے یہ کافی ہے کہ میں (اپنا مال) اپنے شوہر اور ان یتیم بچوں پر جو میری تربیت میں ہیں خرچ کروں؟ اور ہم نے (بلالؓ سے) کہہ دیا کہ تم ہماری خبر نہ کرنا فلاں فلاں عورتیں ہیں۔ (جب بلالؓ نے آپ سے جاکر یہ پوچھا) تو آپؐ نے فرمایا وہ دونوں عورتیں کون ہیں؟ بلالؓ نے کہا زینبؓ آپ نے پوچھا کہ کونسی زینبؓ؟ بلال نے عرض کیا عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی۔ آپؐ نے فرمایا ہاں (کافی ہے) بلکہ اس کو دوہرا ثواب ملے گا۔ قرابت کا حق ادا

کرنے کا ثواب اور خیرات دینے کا ثواب (صحیح بخاری شریف جلد اول پارہ ۶ ص ۳۳۲ ص ۱۳۶۱ کتاب الزکوٰۃ اور صحیح مسلم شریف جلد اول صفحہ ۱۶۲)

الجواب

سائل کو اس کے حسب استفسار ہی جواب ملنا چاہئے یہاں چونکہ درمیانی شخص یعنی حضرت بلالؓ کے ذریعہ بات پہنچائی جارہی تھی اس لئے پوری وضاحت کے بعد جواب عنایت فرمایا گیا تاکہ قاصد پوچھنے والوں میں امتیاز کرکے اور اچھی طرح مطمئن ہوکر ہی جواب دے سکے۔ اور یہ بھی علم غیب ہی کی ایک جھلک تھی۔

اعتراض

حدیث: حضرت ام ہانیؓ بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (فتح مکہ) کے سال گئی تو میں نے آپ کو غسل کرتے ہوئے پایا اور آپ کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپؐ پر پردہ کئے ہوئے تھیں ام ہانیؓ کہتی ہیں کہ میں نے آپؐ کو سلام کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ کون ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میں ہوں ام ہانیؓ بنت ابی طالب۔ آپ نے فرمایا مرحبا ام ہانی۔ (مختصر) صحیح بخاری شریف جلد اول پارہ دوم ص ۹۶ حدیث ۳۴۳ کتاب الصلوٰۃ صحیح مسلم شریف جلد اول ص ۱۱۶ حدیث ص ۶۹۹ مسافر کی نماز کے بیان میں اور ترمذی شریف جلد دوم ص ۱۱۷ حدیث ۵۹۳ ابواب الآداب میں بھی ہے)

میرے عزیز دوست! اگر اللہ تعالیٰ کوئی بات بتلانا نہ چاہئے تو دیوار اور پردہ کے پیچھے کی بات تو کیا بلکہ پیر کے نیچے کیا چیز ہے اور سر کے اوپر کیا ہورہا ہے اس کی بھی خبر نہیں پڑسکتی۔ کیوں کہ عالم الغیب سوائے خدا کے کوئی بھی نہیں اور یہی تمام سلف صالحین اور جمہور علمائے امت کا عقیدہ ہے۔ ٥ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الجواب

حضرت ام ہانیؓ بنت ابی طالب حضورؐ سے قریبی رشتہ رکھتی تھیں ان کے سلام کرنے پر جو استفسار فرمایا گیا وہ دانستہ ہی تھا۔ اپنے محبوب چچا کی صاحبزادی کو ان کے ساتھ ان کی ذات میں کس قدر دلچسپی یہ تعلقِ خاطر تھی۔ یہی حضورؐ کو اپنے فعل مبارک سے جتانا مقصود تھا۔ اور یہ بھی خلقِ عظیم کا ایک نمونہ تھا۔

دوسرے یہ کہ گھر کے قریبی رشتہ داروں اور رات کے دن کے ملنے جلنے والوں کی آواز جانی پہچانی ہی ہوتی ہے اور صرف آواز ہی پر جان لیا جاسکتا ہے ۔ کہ کون آیا کون گیا ؟ یہاں علم غیب کا سوال ہی کیا ہے جب کہ واقعہ خود حضوری کا ہے ۔

اعتراض

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو کوئی تم سے کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب جانتے تھے تو وہ جھوٹا ہے ۔ (صحیح بخاری شریف جلد تیسری پارہ ۳)

الجواب

حضرت عائشہؓ کا یہ ارشاد علم بالذات کی نفی کے لئے ہے اور جو آیت ام المومنین نے تلاوت فرمائی یعنے :

" آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہے کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا سوائے خدا کے ۔ "

اوپر کی آیت کا تعلق حضورؐ کی ذات مبارک سے بالکل نہیں بلکہ یہ عام انسانوں سے متعلق ہے حضورؐ کے لئے تو اثبات علم غیب میں قرآن کا کُھلا ارشاد حسبِ ذیل ہے ۔ **وما هو على الغيب بضنين** ۔ آپؐ لوگوں کو علم غیب بتانے میں بخیل نہیں ، اس آیت سے اچھی طرح ظاہر ہورہا ہے کہ حضورؐ کو نہ صرف علم غیب تھا بلکہ آپؐ دوسروں کو بھی علم غیب سے باخبر فرمادیا کرتے تھے ۔

اعتراض

حدیث: حضرت خالدؓ بن زکوان ربیع بنتِ معوذ سے روایت کرتے ہیں کہ ربیع کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس اس صبح کو جو بعد شب زفاف تھی تشریف لائے اور میرے پاس جیسے تو بیٹھا ہے اس طرح بیٹھ گئے اور لڑکیاں دف بجا کر مرثیہ اپنے باپوں مقتولینِ بدر کے پڑھ رہی تھیں ۔ یہاں تک کہ ایک لڑکی نے ان میں سے یہ کہا ۔ ہم میں ایسے نبیؐ ہیں جو جانتے ہیں کہ کل کیا ہوگا ۔ آپؐ نے فرمایا اس طرح مت کہو وہی کہو جو تم (پہلے) کہہ رہی تھیں ۔ (صحیح بخاری شریف جلد دوم پارہ ۱۶ ص ۳۰۰ حدیث ص ۱۱۶۷ ۔ کتاب الغازی مشکوٰۃ شریف جلد دوم ۴۶۴ حدیث ۲۹۸۴ کتاب النکاح ، اور ابو داؤد شریف جلد تیسری پارہ ۳۱ ص ۵۶۹ حدیث ۱۴۹۱ باب ۴۷۵ میں بھی ہے)

اس حدیث میں لڑکیوں نے اشارہ غیب کا حضورؐ کی طرف کیا تو حضورؐ نے لڑکیوں کو ایسا کہنے سے روکا کیوں کہ یہ بات آپ کو ناگوار معلوم ہوئی (یعنی پسند نہیں آئی) اس لئے کہ غیب کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے مگر جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے معلوم کرادیتا ہے رسولوں کو غیب کی باتوں میں سے (مظاہر حق جلد تیسری ص ۱۲۶ نکاح کے بیان میں)

الجواب

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ کچھ ہی عرصہ میں حضورؐ کے علم غیب کی شہرت دور، دور تک جاچکی تھی اور مدینہ طیبہ کی گلیوں کا بچہ بچہ بھی یہی گیت گارہا تھا۔ حضورؐ کو دیکھ کر معصوم بچیوں کی زبان پر جو بے ساختہ الفاظ کھل گئے وہ مبنی بر حقیقت ہی تھے لیکن یہاں حضورؐ نے منع فرماتے ہوئے ان کو وہی گانے کے لئے کہا جو وہ پہلے ہی سے گارہی تھیں۔ تاکہ ان کے ابھرے ہوئے جذبات کہیں دبنے نہ پائیں، حضورؐ خود بھی ان لڑکیوں سے وہی سننا چاہتے تھے جس میں ان کا قلبی لگاؤ تھا۔ اور شائد اس وقت حضورؐ کو شہدائے بدر کی یاد بھی آگئی ہوگی اور اس طرح اپنے ان ساتھی فداکاروں کے لئے بخشش و مغفرت کی جانے کتنی دعائیں حضورؐ کے قلب مبارک سے نکلتی گئی ہوں گی۔ یہاں حضورؐ نے اپنے لئے علم غیب کی نفی نہیں فرمائی اور نہ ہی اس تعلق سے ان بچیوں کے ذہن و فکر کی اصلاح فرمائی کیوں کہ اگر یہ بات عقیدہ توحید کے منافی ہوتی تو حضورؐ اولاً اس کی تنبیہہ فرمادیتے۔ اس کے علاوہ لڑکیوں کو منع فرمادینے کی ایک خاص وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ غالباً حضورؐ نہیں چاہتے تھے کہ لڑکیوں کا گایا ہوا علم غیب والا گیت رواج پا جائے اور گستاخ پیشہ منافقین ہمیشہ کے لئے انگاروں پر لوٹتے رہیں حضورؐ کے علم غیب کی یہ بھی ایک دلیل ہے کیوں کہ ہر چیز مقدرات سے ہے اور کتابِ تقدیر حضورؐ پر کھل چکی تھی، پھر حضورؐ کی چشم غیب بین سے بھلا کونسی چیز غائب رہ سکتی تھی۔

اعتراض

حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے قائم ہونے کا وقت پوچھا جاتا ہے اور آپؐ اس کے معین وقت سے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے تھے۔ ایک اعرابی کی صورت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بھی آکر جب قیامت کے بارے میں سوال کیا تھا تو آپ نے فرمادیا کہ اس کا علم نہ پوچھنے والے کو ہے اور نہ اسے ہے جس سے پوچھا جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۲۹ ص ۵۰)

حدیث: حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں انگلیوں (یعنی بیچ والی اور شہادت کی انگلی) سے یوں اشارہ کر کے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں (بخاری شریف جلد ۲ پارہ ۲۰ ص ۶۳۸ حدیث ۲۰۳۹ سورہ نازعات کی تفسیر میں صحیح مسلم شریف جلد دوم ص ۲۴۷ حدیث ۱۱۸۴ فتنوں کے بیان میں ترمذی شریف جلد دوم ص ۱۸ حدیث ۸۱ ابواب الفتن ۔ اور مشکوٰۃ شریف جلد دوم ص ۷۹۶ حدیث ۵۲۳۶ قیامت کے بیان میں بھی ہے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح آئے ہیں اور آپ نے دونوں انگلیاں جوڑ کر بتلایا (یعنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی) لیکن اس کے باوجود آپ کے قیامت کا علم نہ تھا (کہ کب آئے گی) اس کے بارے میں جب بھی کسی نے سوال کیا تو یہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا کہ جواب دو، میں نہیں جانتا اس کا علم تو صرف خدا ہی کو ہے ۔ لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ۔ (تفسیر ابن کثیر پارہ ۹ ص ۵۴)

قرآن مجید کے تیسویں پارہ میں سورہ نازعات کے دوسرے رکوع کے اندر آیت ۴۲، ۴۳ اور ۴۴ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔

"لوگ تجھ سے قیامت کے قائم ہونے کا وقت دریافت کر رہے ہیں ۔ تجھے اس کے بیان کرنے سے کیا تعلق ۔ اس کے علم کی انتہاء تو خدا کی جانب ہے ۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، لوگ قیامت کے بارے میں آپ سے سوال کر رہے ہیں کہ وہ کب آئے گی تم کہہ دو کہ نہ مجھے اس کا علم ہے نہ مخلوق میں سے کسی اور کو صرف خدا ہی جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی اور سوائے خداء کے اس کا صحیح وقت کسی کو بھی معلوم نہیں (تفسیر ابن کثیر پارہ ۳۰ ص ۱۴)

الجواب

مندرجہ صدر احادیث کے ذریعہ معترض نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ حضورؐ کو قیامت کا علم نہیں تھا ۔ مگر معترض کو اس سے انکار تو ہو نہیں سکتا کہ حضورؐ نے قیامت کی علامتیں بیان نہ فرمائی ہیں، اور بعض تفاسیر و روایات سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضورؐ نے دنیا کی کل مدت بھی بیان فرما دی ہے یہاں تک کہ دن یعنی روز جمعہ اور عاشورہ کی قید بھی بتادی ہے البتہ سنہ یا درمیانی مدت کا پتہ نہیں دیا گیا یہ اس لئے تھا کہ اگر پوری پوری طرح تعین کر دیا جاتا تو لوگ بے فکر

اور بے خوف ہوجاتے ، جس طرح آدمی اپنی موت یا عمر کے قطعی تعین سے عاجز ہے جس کے نتیجہ میں ہمیشہ موت کا خطرہ رلگا رہتا ہے ۔ اسی طرح قیامت کا علم بھی اللہ نے اپنے بندوں کو نہیں دیا تاکہ اجتماعی طور پر ایک مستقل خوف دامن گیر رہے ، مگر یہ کہ حضورؐ کو قیامت کا علم نہیں دیا گیا یہ کہیں ثابت نہیں ۔ البتہ حضورؐ کو اس کے اظہار کی اجازت نہ تھی ، ویسے حضورؐ نے تو یہ بھی فرما دیا کہ " قیامت اور میں بالکل ملے ہوئے ہیں ۔ " ....

حدیث احسان سے ظاہر ہے کہ جب حضرت جبرئیلؑ نے حضورؐ سے قیامت کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کا علم نہ مجھے ہے اور نہ تمہیں ، بالکہ اس طرح فرمایا " اس بارے میں مسئول (یعنی جس سے پوچھا گیا) سائل سے زیادہ نہیں جانتا ۔ " یعنی جس قدر تمہیں معلوم ہے اتنا ہی مجھے بھی علم ہے گویا حضورؐ نے علم قیامت کی نفی نہیں بلکہ زیادتی علم کی نفی فرمائی ۔ اور اس کے بعد جب علاماتِ قیامت پوچھے گئے تو آپ نے بیان بھی فرمادیئے ۔

ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ حضورؐ کو قیامت کا پورا ، پورا علم تھا ، لیکن آپؐ نے بہ امرالٰہی اس کا اظہار نہیں فرمایا ، اور اللہ نے حضورؐ ہی کے ذریعہ فرمادیا کہ آپؐ کہہ دیں کہ قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور اکثریہ لوگ نہیں جانتے ۔ " بعض مفسرین کے نزدیک یہہ ہے کہ حضورؐ کے پردہ فرمانے سے پہلے ہی اللہ نے تمام چیزوں کا علم عطا فرمادیا جن میں قیامت کا علم بھی شامل ہے ۔ اس سے ہٹ کر ایک حدیث خود معترض نے بھی اطلاع علی الغیب کے تحت بیان کی ہے ۔ جس کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ نے مسجد نبوی میں منبر پر کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا کہ مجھ سے پوچھ لو جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو وہ میں سب کچھ بیان کردوں گا ۔ اور یہ بار ، بار آپ پوچھنے لگے ۔ اثباتِ علم قیامت کے سلسلہ میں ہم کو یہ حدیث بہت کافی ہے کیوں کہ حضورؐ فرما رہے ہیں کہ تم جو مجھ سے پوچھنا ہو پوچھ لو وہ میں بتادوں گا ۔

کاش اگر اس وقت کسی نے ہمت و جراءت کرکے قیامت کے تعلق سے سوال کرلیا ہوتا تو یہ ہمارا ایقان بلکہ ایمان ہے کہ حضورؐ سائل کو ضرور مطمئن فرمادیتے اور نفیِ علم غیب کے سلسلہ میں یہ مسئلہ پھر کبھی نہ اٹھتا ۔

تفصیلی اعتراض

حدیث : حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ یہ تھا کہ جب آپ کسی سفر پر جانے کا ارادہ کرتے تو اپنی بیویوں میں سے قرعہ ڈالتے اور جس کا نام نکل

آتا اس کو اپنے ساتھ لے چلتے چنانچہ ایک مرتبہ کسی غزوہ میں جانے کے لئے ہمارے درمیان قرعہ ڈالا۔ میرا نام نکل آیا اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئی۔ یہہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے۔

میں ایک ہودج میں سوار تھی، جب کہیں قیام ہوتا تھا تو ہودج اتارلیا جاتا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ سے واپس ہوئے۔ جب مدینہ کے قریب پہونچے تو معمول کے مطابق ایک رات کو پڑاؤ سے کوچ کا حکم ہوا۔ کوچ کا اعلان ہوتے ہی میں اٹھی اور لشکر سے باہر نکل کر قضائے حاجت کی اور پھر واپس اپنی قیام گاہ پر چلی آئی۔ قیام گاہ پر میں نے سینے کو چھوکر دیکھا تو میرا ہار جو "مقام ظفار" کے پوتھ کا تھا غائب تھا۔ خدا جانے کہاں ٹوٹ کر گر گیا۔ میں اس کی تلاش میں چلدی اور دیر تک اس کو تلاش کرتی رہی ادھر ہودج اونٹ پر باندھا کرتے تھے آئے اور ہودج کو اٹھایا اور اس اونٹ پر رکھدیا جس پر میں سوار ہوا کرتی تھی۔ ان کا خیال یہ تھا کہ میں ہودج کے اندر ہوں۔ اس زمانے میں عورتیں نازک اندام ہوتی تھیں۔ گوشت اور چربی کی زیادتی سے موٹی نہ ہوتی تھیں اور تھوڑا کھانا کھاتی تھیں اس وجہ سے لوگوں کو ہودج میں وزن محسوس نہ ہوا۔ جبکہ انھوں نے اس کو اٹھایا اور اونٹ پر رکھ کر باندھا پھر اس زمانے میں ایک نو عمر لڑکی تھی اس وجہ سے ہودج میں ان کو وزن کا اندازہ نہ ہوسکا۔ غرض کہ (ہودج باندھ کر) انھوں نے اونٹ کو اٹھایا اور چل دیئے اور لشکر کے چلے جانے کے بعد مجھ کو ہار مل گیا۔

میں اپنی قیام گاہ پر واپس آئی تو وہاں نہ کوئی پکارنے والا تھا اور نہ کوئی جواب دینے والا تھا۔ آخر میں اسی جگہ پر چلی گئی جہاں ٹھیری ہوئی تھی اور میں نے یہہ خیال قائم کرلیا کہ جب لوگ مجھ کو نہ پائیں گے تو لوٹ کر یہیں پر آئیں گے۔ میں اپنی جگہ پر بیٹھی ہوئی تھی کہ نیند کا خمار آنکھوں میں پیدا ہوا۔ اور میں سو گئی۔ اور صفوان بن معطل سلمیٰ لشکر کے پیچھے شب باش ہوگیا تھا۔ رات کو وہاں سے چل کر صبح کو میری قیام گاہ پر پہونچا۔ اور سوتے ہوئے انسان کی سیاہی دیکھی۔ وہ میرے قریب آیا اور مجھ کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اس لئے کہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے اس نے مجھ کو دیکھا تھا۔ اس نے مجھ کو پہچان کر **انا للہ وانا الیہ راجعون** پڑھا۔ میں اس کی آواز کو سن کر جاگ گئی اور دوپٹہ میں منھ چھپالیا اور خدا کی قسم میں نے اس سے ایک کلمہ بھی نہیں کہا اور نہ اس کی زبان سے **انا للہ و انا الیہ راجعون** کے سواء کوئی کلمہ سنا غرض کہ اس نے اپنی اونٹنی کو بٹھادیا اور میں اس کے ہاتھ کا سہارا لے کر اونٹنی پر سوار ہوگئی۔ اور وہ اونٹنی کی مہار پکڑ کر (یعنی نکیل کی رسی پکڑ کر) روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ ہم لشکر میں پہونچ گئے جبکہ سخت گرمی کے وقت لشکر

والے ایک جگہ پر اتر پڑے تھے ۔ (میرے اس واقعہ میں) جن لوگوں کو ہلاک ہونا تھا ہلاک ہوگئے (یعنی مجھ پر تہمت اور بہتان لگا کر جن لوگوں کی قسمت میں ہلاک ہونا تھا ہلاک ہوگئے) اس معاملے میں سب سے بڑی افتراء پردازی کا ذمہ دار (مدینہ کا مشہور منافق) عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ ہم مدینہ میں پہونچے اور پہونچتے ہی میں بیمار ہوگئی۔ اور ایک مہینہ تک بیمار رہی جن لوگوں نے بہتان باندھا تھا ان کے بیان اور قول پر لوگ غور کرتے رہے لیکن مجھ کو اس کی کوئی خبر نہ تھی۔ البتہ بیماری کے زمانے میں جس بات نے مجھ کو شک میں ڈال دیا تھا وہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری بیماری کے زمانے میں جس مہربانی کے ساتھ مجھ سے پیش آیا کرتے تھے وہ مہربانی اس بیماری میں نظر نہ آتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب میرے پاس تشریف لاتے تو سلام کے بعد پوچھتے تم کیسی ہو؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل سے مجھ کو شک ہوتا تھا لیکن کسی برائی کا احساس مجھ کو نہ ہوتا تھا۔

مختصر یہ کہ (بیماری سے آرام ہوجانے کے بعد) کمزوری ہی کی حالت میں ایک بار ام مسطح کے ساتھ قضائے حاجت کے واسطے گئی اور یہ واقعہ گھروں کے قریب پائخانے بنانے سے پہلے کا ہے اس وقت ہماری حالت پائخانے کے لئے جنگلوں میں جانے کی بابت بالکل (ابتدائی) عربوں کی سی تھی اور ہم گھروں کے قریب پائخانے بنانے سے اذیت پاتے تھے۔ ام مسطح فراغت کے بعد گھر لوٹیں۔ راستہ میں ام مسطح اپنی چادر میں الجھ کر گر پڑیں اور انہوں نے کہا مسطح ہلاک ہو اور برباد ہو۔ میں نے کہا تم نے بری بات کہی تم ایسے آدمی کو برا بھلا کہتی ہو جو بدر کی جنگ میں شریک ہوچکے ہیں۔ ام مسطح نے کہا ناواقف اور بھولی لڑکی تم نے نہیں سنا اس نے کیا کہا ہے!

میں نے پوچھا اس نے کیا کہا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھ کو ام مسطح نے بہتان لگانے والوں کی باتیں سنائیں اور ان کو سن کر میری بیماری میں اس بیماری کا درد اور زیادہ ہوگیا۔ میں جب گھر واپس آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مجھ کو سلام کرکے پوچھا تم کیسی ہو؟ میں نے عرض کیا اگر آپ مجھ کو میرے ماں باپ کے گھر جانے کی اجازت دے دیں تو بہتر ہے۔

میرا منشاء اس سے یہ تھا کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر جاکر ان سے خبر کی تصدیق کروں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اجازت دیدی اور میں نے اپنے ماں باپ کے گھر جاکر اپنی ماں سے کہا اماں لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ میری ماں نے کہا، بیٹی غم نہ کر خدا کی قسم!

جو عورت چمکدار (یعنی حسین جمل) ہو اور اس کا شوہر اس سے محبت کرتا ہے اور اس اس کی سوکنیں بھی ہوتی ہیں تو ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ اس کی سوکنیں اس پر طرح طرح کے الزام نہ لگائیں میں نے کہا لوگ اس قسم کی باتیں کہہ رہے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اس رات کو میں ساری رات روتی رہی، یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ نہ تو آنسو تھمتے تھے اور نہ نیند آتی تھی صبح کو بھی میں برابر روتی رہی۔ ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ وحی آنے میں دیر ہوگئی ہے۔ (یعنی ایک ماہ تک وحی نہیں آئی تھی) تو اپنی بیوی کو (یعنی مجھ کو) طلاق دینے کے معاملے میں مشورہ کرنے کے لئے علیؓ بن ابی طالبؓ اور اسامہ بن زیدؓ کو بلایا اور اسامہ بن زیدؓ نے اپنے علم کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کی پاکدامنی کو بیان کیا اور اس محبت کو ظاہر کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیویوں سے ہے۔

چنانچہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ (یعنی عائشہؓ) آپؐ کی بیوی ہیں اور ہم ان کی نسبت بھلائی کے سواء اور کچھ نہیں جانتے اور علی بن ابی طالبؓ نے کہا خداوند تعالیٰ آپ کے لئے تنگی نہیں کی۔ اس کے سواء اور بہت سی عورتیں ہیں اگر آپ لونڈی سے دریافت فرمائیں گے تو وہ آپ سے سچ سچ بیان کردے گی، چنانچہ حضرت علیؓ کے مشورہ کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بریدہ لونڈی کو طلب فرمایا اور بریدہ سے پوچھا۔ بریدہ! تم نے عائشہؓ میں کوئی ایسی بات دیکھی ہے جس سے تم کو شک پیدا ہوا ہو بریدہ نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں نے حضرت عائشہؓ میں کبھی کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس سے ان پر عیب لگایا جاسکے زیادہ زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک نوجوان لڑکی ہیں جو گھر کا گوندھا ہوا آٹا چھوڑ کر سوجاتی اور بکری کا بچہ آکر اس کو کھا جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور عبداللہ بن ابی بن سلول کے متعلق عذر طلب کیا (یعنی یہ فرمایا کہ عبداللہ بن ابی نے میری بیوی کے متعلق تہمت لگا کر مجھ کو تکلیف پہونچائی ہے۔ اس کے نار وافعل پر اگر انتقام لیا جائے تو کون میری مدد میں رہے گا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہوکر فرمایا مسلمانو! جس شخص کی جانب سے مجھ کو اپنے گھر والوں کے معاملہ میں تکلیف پہونچی ہے اس کی طرف سے کون عذر کرسکتا ہے (یعنی اس کے بہتان کے متعلق کون جواب دے سکتا ہے؟) خدا کی قسم! میں نے اپنی بیوی میں بھلائی کے سواء اور کوئی بات نہیں پائی اور لوگوں نے جس شخص کا میرے سامنے ذکر کیا ہے میں نے اس میں بھلائی کے سواء اور کوئی بات نہیں دیکھی۔ وہ شخص میرے گھر میں صرف میرے ہی ساتھ جایا کرتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو سن کر حضرت سعد بن معاذ انصاریؓ کھڑے ہوگئے اور کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس شخص کی بابت یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر وہ قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا ہے تو ہم اس کی گردن اڑادیں گے اور اگر اس کا تعلق خزرجی بھائیوں سے ہے تو اس کی بابات حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو جو حکم فرمائیں گے ہم اس کے اوپر عمل کریں گے۔ سعد بن معاذؓ کے الفاظ سن کر سعد بن عبادہؓ کھڑے ہوئے جو قبیلہ خزرج کے سردار تھے اور ایک نہایت صالح اور دیندار آدمی تھے لیکن اس قومی حمیت نے ان کو جاہل بنادیا تھا۔ انھوں نے سعد بن معاذؓ سے کہا (اگر وہ شخص قبیلہ، خزرج سے ہوا تو) خدا کی قسم تم اس کو قتل نہیں کر سکو گے اور نہ تم میں اتنی قوت ہے کہ تم اس کو قتل کر سکو (سعد بن عبادہؓ کے یہ پرجوش الفاظ سن کر) سعد بن معاذؓ کے چچازاد بھائی اسید بن حضیرؓ نے سعد بن عبادہ سے کہا۔ خدا کی قسم تم نے جھوٹ کہا۔ ہم ضرور اس کو قتل کردیں گے۔ تو منافق ہے اور منافقوں کی طرف سے جھگڑا کرتا ہے مختصر یہ کہ قبائل اوس اور خزرج کے لوگوں میں جوش پیدا ہوگیا۔ اور وہ لوگ لڑنے پر تیار ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بدستور منبر پر تشریف فرما تھے۔ اور لوگوں کے جوش کو ٹھنڈا کر رہے تھے یہاں تک کہ ان کا جوش ٹھنڈا ہوگیا اور وہ خاموش ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاموش ہوگئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ وہ دن بھی مجھ کو برابر روتے ہوئے گذرا اور ایک لمحہ کے بھی آنسو نہ تھمتے اور نہ نیند آتی۔ پھر دوسری رات بھی برابر روتی رہی۔ نہ آنسو تھمتے اور نہ آنکھوں میں نیند آتی۔ روتے روتے میری یہ حالت ہوگئی کہ میرے ماں باپ نے یہ خیال قائم کرلیا کہ روتے روتے اس کا جگر پھٹ جائے گا۔ میرے ماں باپ بیٹھے ہوئے تھے اور میں رورہی تھی کہ ایک "انصار" یہ عورت نے میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی، میں نے اجازت دے دی وہ ئی میرے پاس بیٹھ کر رونے لگی۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ۔ر سلام کیا پھر بیٹھ گئے۔ جب سے یہ (بہتان کا) واقعہ ہوا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس نہ بیٹھے تھے۔ ایک مہینہ گذر گیا تھا اور میرے بارے میں کوئی وحی نازل نہ ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر تشہد پڑھی اور پھر فرمایا۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد اے عائشہ! تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ تمہاری بابت مجھ کو ایسی ایسی خبریں پہونچی ہیں۔ اگر تم ان باتوں سے پاک ہو تو خدا وند تمہاری پاکدامنی کو ظاہر کرے گا۔ اور اگر تم نے (واقعی) گناہ کیا ہے تو تم خدا سے مغفرت طلب کرو اور توبہ کرو، اس لئے کہ جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کرکے توبہ کرتا ہے تو خدا اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ ختم ہوئے اور ادھر میرے آنسو گر کر خشک ہوگئے یہاں تک کہ آنسو کا ایک قطرہ بھی مجھ کو (نکلتا ہوا) محسوس نہیں ہوا میں نے اپنے باپ سے کہا، تم میری

طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا جواب دو۔ میرے باپ نے کہا خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اپنی ماں سے کہا تم میری طرف سے جواب دو، میری ماں نے کہا خدا کی قسم میں نہیں جانتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میں کیا عرض کروں؟

میں اس زمانے میں ایک نوجوان لڑکی تھی، کچھ زیادہ قرآن بھی نہ پڑھا تھا۔ میں نے اپنے ماں باپ سے کہا۔ خدا کی قسم میں اس بات کو خوب سمجھتی ہوں کہ تم نے اس بات کو سنا ہے اور وہ تمہارے دلوں میں جگہ پکڑ چکی ہے اور تم اس کو سچ خیال کرتے ہو۔ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں گناہ سے پاک اور پاکدامن ہوں اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ میں حقیقت میں پاک ہوں تو تم میری بات کو درست نہ سمجھو گے اور مجھ کو سچی قرار نہ دوگے اور اگر میں تمہارے سامنے کسی بات کا اعتراف کرلوں اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ میں (اس سے) پاک و صاف ہوں تو تم ضرور میرے اعتراف کی تصدیق کرو گے۔ خدا کی قسم میں اپنے اور تمہارے معاملہ میں اس مثل سے بہتر کوئی مثل نہیں پاتی جو یوسف علیہ السلام کے باپ (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے کہی تھی (یعنی میں صبر جمیل اختیار کرتا ہوں اور اللہ ہی میرا مددگار ہے) یہ کہہ کر میں نے منہ پھیر لیا اور بستر پر جاکر لیٹ رہی۔ خدا کی قسم میں اس وقت اس کا یقین رکھتی تھی کہ میں پاکدامن ہوں۔ اور خداوند تعالیٰ مجھ کو ضرور (اس الزام سے جو مجھ پر لگایا گیا ہے) بری کردے گا۔ لیکن خدا کی قسم یہ بات میرے وہم اور گمان میں بھی نہ تھی کہ میری شان میں وحی نازل ہوگی وہ وحی جس کی تلاوت کی جائے گی میں اپنے آپ کو اتنا حقیر خیال کرتی تھی کہ مجھ کو اس کا خیال بھی نہ ہوسکتا تھا کہ خداوند تعالیٰ میرے بارے میں وحی متلو (تلاوت کی جانے والی وحی) نازل فرمائے گا۔

اور میرے متعلق اپنے ارشاد سے عزت بخشے گا۔ البتہ میرا خیال صرف یہ تھا اور میں صرف یہ امید رکھتی تھی کہ خداوند تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب دکھائے گا جس کے ذریعہ خدا کی طرف سے بریت ہوجائے گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ خدا کی قسم! ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ سے جدا نہ ہوئے تھے جہاں تشریف فرما تھے اور نہ گھر والوں میں سے کوئی شخص باہر گیا تھا کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے نبی پر وحی نازل فرمائی اور وحی نازل ہوتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر انتہاء درجہ کی سختی اور شدت ہوتی تھی، یہاں تک کہ سخت سردی کے دنوں میں وحی کے بوجھ سے موتیوں کے مانند پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے یہی کیفیت آپ پر اس وقت طاری ہوئی جب یہ کیفیت دور ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے سب سے پہلے یہ فُقرہ ارشاد فرمایا۔

" عائشہ ! خوش ہوجاؤ ۔ خدا وند تعالیٰ نے تم کو بری کردیا " یہ سن کر میری ماں نے کہا عایشہؓ اٹھ کر حضورؐ کے پاس جاؤ میں نے کہا خدا کی قسم میں کسی کا شکریہ ادا نہ کروں گی ۔ ہاں صرف اس بزرگ و برتر ذات کی حمد و ثناء کروں گی جس نے میری سچائی کا حکم نازل فرمایا ہے ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ خدا وند تعالیٰ نے میری سچائی کے بارے میں دس آیتیں نازل فرمائی ہیں (وہ دس آیتیں قرآن شریف کے اٹھارویں پارہ میں سورہ نور کے دوسرے رکوع کے اند آیت (۱۰) سے لے کر (۲۰) تک آیتیں ہیں)

(صحیح مسلم شریف جلد دوم صفحہ ۲۱۲ حدیث ۱۰۳۴ توبہ کے باب میں صحیح بخاری شریف جلد دوم پارہ ۱۶ صفحہ ۳۳۶ حدیث ۱۲۹۰ کتاب المقاضی میں بھی ہے اور ترمذی شریف جلد دوم صفحہ ۲۰ حدیث ۱۰۳۷ سورہ نور کے تفسیر میں بھی ہے)

دیکھا میرے عزیز سارا مدینہ حیران و پریشان تھا ایک مہینے تک کسی کو بھی علم غیب نہیں تھا جب اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی اور دس آئیتیں نازل فرمائیں تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو حق بات معلوم ہوئی ورنہ بات اتنی گرم ہوتی چلی جارہی تھی کہ آپس میں خون یا جنگ ہوجانے کی نوبت آگئی تھی ۔ اگر ان میں سے کوئی بھی علم غیب جانتا ہوتا تو آپس میں لڑنے کے لئے ہرگز تیار نہ ہوتے اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہوتا تو کیوں حضرت علیؓ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کی صلاح لیتے اور لونڈی بریدہ سے کیوں پوچھتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ ناراضی کیوں ظاہر کرتے اور آپ کو توبہ کے لئے کیوں فرماتے ۔ توبہ تو وہ کرے جس نے گناہ کیا ہو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس گناہ سے پاک تھیں ۔ مگر بات اصل یہہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے ۔

اگر عالم الغیب ہوتے یہاں تک نوبت اس بات کی نہ آتی کیوں کہ جب قافلہ روانہ ہوا س وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوجاتا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہوگیا ہے اور وہ ہار کی تلاشی میں گئی ہیں ۔ لہذا قافلہ والوں کو تھوڑی دیر کے لئے رک جانے کا حکم فرمادیتے ۔ مگر میرے عزیز دوست ان کی ساری باتیں علم غیب نہ ہونے کی وجہ سے ہوئی ہیں ۔

تفصیلی الجواب

اس ساری تفصیل کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز مشیت الہیٰ کے مطابق ظہور کررہی ہے ۔ ایک عائشہؓ کے تعلق سے حضورؐ کی تمام خموشی علم حق اور امر حق کے تحت ہی تھی اور جو کچھ ہوا یا ہونا تھا

اس سے حضورؐ بخوبی واقف تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زوجہ محترمہ کی پاکدامنی کا یقین تھا مگر اپنے طور پر اظہار کی اجازت نہیں تھی حضورؐ جانتے تھے کہ حضرت عائشہؓ کے معاملہ میں آسمانی فیصلہ ہی مخالفین کی آنکھیں کھول دے گا اس خصوص میں قبل از وحی حضورؐ کا کچھ فرمادینا عام طور پر یہی سمجھا جاتا کہ حضورؐ نے اپنی حرم محترم کی طرفداری کی ہے۔

قرآن نے حضورؐ کی ازواج مطہراتؓ کے معاملہ میں بدگمانی کو حرام قرار دیا ہے، حضورؐ بھی اپنی زوجہ محترمہ کے بارے میں خیر ہی جانتے تھے جیسا کہ فرمایا **ما علمت علی اھلی الاخیرا** یعنی میں نے اپنی اہلیہ کے معاملہ میں سوائے بھلائی کے کچھ نہیں جانا لیکن اس کے باوجود حضورؐ نے بظاہر سکوت اختیار فرما کر گویا قانون شریعت کو نافذ فرمادیا۔ آخر کار حکم الہیٰ نے حضرت عائشہؓ کے حق میں فرمانِ برات جاری فرمادیا اور اس دیر آید درست آید کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ چہرے بے نقاب ہوئے جن کی پیشانیوں پر نفاق کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کو تہمت کے مسائل بھی معلوم ہوئے حضرت عائشہؓ کے صبر جمیل کو اجر جزیل بھی نقدوم ہوا اور خود حضورؐ کے ضبط مزاج کے لئے رضائے الہیٰ بھی نعم البدل ہوئی۔

☆ حضورؐ کو ہار کا علم نہ ہوا، یہ ایک بے محل سی بات ہے .... ہر چیز کسی نہ کسی سبب ہی ظہور میں آتی رہی ہے۔ حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہوجانے اور اس کی تلاش میں نکلنے والوں کو پانی میسر نہ آنے کی وجہ ہی سے آیت تیمم کا نزول ہوا اور اس آیت کا محل نزول حضورؐ ہی کا سینہ پاک تھا جس کا انشراح تو عرصہ ہوا ہو ہی چکا تھا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہار کا پتہ بتادیتے تو آیت تیمم کا نزول کہاں ہوتا۔

حضرت آدمؑ کو ساری اشیاء کا علم دیا گیا تھا اور اس شجر ممنوعہ کے حقائق بھی آپ پر منکشف تھے جس کے قریب وہ جب اپنی اہلیہ کے ساتھ ہوئے تو جنت سے کروڑوں میل دور کردیئے گئے، آخر آدمؑ کی یہی لغزش سبب ہوئی ابن آدم کی بے پناہ کثرت کا اور آج یہی کثرت دنیا کے اکثر حصوں میں منصوبہ بندی کا سبب بن گئی مگر جنسی کشش کے جرثومے جب توالدوتناسل کی شکل اختیار کرلیتے ہیں تو اسی کشاکش کے سبب وہ معترضین بھی (سوئے اتفاق سے) وجود میں آجاتے ہیں جو کبھی پردہ غیب میں بود و عدم کی کشمکش میں مبتلا تھے اس وقت نہ یہ کہیں رحم مادر میں تھے اور نہ ہی صلب پدر میں، غرض کوئی بھی شئے ہو کسی سبب ہی سے ظہور میں آتی ہے، یہ تو خیر ابنائے آدم تھے اور خود حضرت آدم ابھی آب و گل ہی میں تھے کے حضورؐ اس وقت ہی سے نبی تھے اور وہ نبی جن کے تعلق سے خود خالقِ حقیقی نے فرمایا:

" لو لاک لما خلقت الافلاک "

یعنی اگر آپ نہ ہوتے تو میں ان افلاک کو پیدا ہی نہ کرتا گویا آپ ہی وجہء تخلیق کائنات ہیں، اس طرح قبل عالم آپ کا ہونا بھی ثابت، پھر بھلا کونسی شئے آپ سے پوشیدہ رہتی۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا اُس نے مجھ سے پوچھا کہ فرشتے کس معاملہ میں آپس میں جھگڑتے ہیں۔ میں نے عرض کیا آپ ہی بہتر جانتے ہیں پھر اللہ نے میرے مونڈھوں کے درمیان اپنا ہاتھ رکھا جس کی سردی میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی اور مجھے آسمان و زمین کی ساری چیزوں کا علم ہوگیا۔ (مشکوٰۃ جلد اول باب المساجد)

☆ جب حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے آسمان و زمین کی ساری چیزوں کا علم ہوگیا تو کیا اس کے بعد بھی حضورؐ کو ہار کا علم نہ ہوسکا۔ (نعوذ باللہ)

اسی حدیث کے تحت آخری سطور میں خط کشیدہ الفاظ سے یہ وضاحت ہورہی کہ حضورؐ کو (نعوذ باللہ) علم غیب نہ ہونے کی وجہ سے آپؐ حضرت عائشہؓ سے مطمئن نہیں تھے۔ تب ہی تو توبہ کے لئے فرمایا گیا۔ مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ تو بہرحال حضرت عائشہؓ کے معاملہ میں حقیقت حال سے باخبر ہی تھے مگر چونکہ حضرت عائشہؓ کو اپنی براءت کے سلسلہ میں تائید ایزدی کی قطعیت کا علم نہیں تھا، ویسے وہ اپنے معاملہ میں پاک اور معصوم ہی تھیں مگر اس طرح کا استغنا شان قدوسیت کے مقابلہ میں طلب عفو و استغفار ہی کے لئے موزوں تھا کہ یہی لازمہ عبودیت ہے اسی لئے حضورؐ نے حضرت عائشہ کو توبہ کی طرف توجہ دلائی کہ آدمی چاہے کتنا ہی بے گناہ سہی خدا کے حضور و سراپا معصیت ہی ہے اور جب ایک ناحق الزام عائد ہی ہو تو اس کے ارتفاع تک رجوع بہ حق رہنا اور تائب و خائف ہوکر امیدوار عفو و فضل ہونا ہی ایک مومن مرد اور عورت کی شان ہے۔ اس کے علاوہ ایک اعتبار یہ بھی تھا کہ نزولِ آیت جو تاخیر ہے وہ توبہ کی بعد باقی نہ رہے۔

☆ معترض کے نزدیک یہ خیال کہ " توبہ تو وہ کرے جس نے گناہ کیا ہو۔ "

مگر شاید کوئی پاگل ہی دنیا میں ایسا ہو جو اس طرح کے زعم تقدیس میں بتلا ہو۔ اللہ نے تو فرمایا ہے!

تُوبُوا الی اللہ توبَۃً نَصُوحاً

یعنے اللہ کی بارگاہ میں نصیحت والی توبہ کرو۔

خود آں حضور صلی اللہ علیہ و سلم بھی بے شمار بار سربہ سجدہ ہو کر طلب عفوو استغفار کیا کرتے۔ اور روزانہ راوتوں کا ایک حصہ خدا کے حضور میں عجزو نیاز کے ساتھ گذر جاتا۔ "توبہ ایک ایسا فعل ہے جس کے کرنے سے آدمی ایسا ہوجاتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ ہی نہ کیا ہو" حقیقت توبہ ہے کہ جو توبہ ہی نہ کرے۔ اس کی بے گناہی میں بھی شک ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ آدمی اگر گنہگار نہیں ہے تو یہ وہ توبہ ہی نہ کرے۔

اعتراض

حضرت جبرائیل علیہ السلام سورہ کہف لے کر نازل ہوئے اس میں انشاءاللہ نہیں کہنے پر آپ کو ڈانٹا گیا۔ ان نوجوانوں کا قصہّ بیان کیا گیا اور مشرق سے مغرب تک جانے والے کا ذکر کیا گیا اور روح کی بابت جواب دیا گیا (تفسیر ابن کثیر پارہ ۱۵، ۸۳ سورہ کہف کے پہلے رکوع کی تفسیر میں)

حضور صلی اللہ علیہ و سلم قریشوں کو جواب دیتے وقت انشاء اللہ کہنا بھول گئے تھے تو پندرہ دن تک وحی نہیں آئی تھی جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ و سلم جواب نہ دے سکے اور جواب نہ ملنے پر مکہّ میں ایک شور برپا ہوگیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہوتا کیوں اس قدر حیران و پریشان ہوتے اور انشاء اللہ کہنا کیوں بھول جاتے جس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ قرآن کے پندرھویں پارہ سورہ کہف کے چوتھے رکوع کے اندر آیت ۲۳ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "ہرگز ہرگز کسی کام پر یوں نہ کہنا کہ میں اسے کل کروں گا مگر ساتھ ہی انشاء اللہ کہہ لینا"

الجواب

اوپر خط کشیدہ لفظوں سے مُعترض کی گستاخانہ ذہنیت اور دریدہ دہنی ظاہر ہورہی ہے یا تو یہ آداب تحریر کی ناواقفیت کی بناء پر ہے یا پھر مقتضائے طبیعت ہی یہ ہے۔

نیش عقرب نہ از پئے کین است مقتضائے طبیعتش این است

سورہ کہف میں حسب ذیل آیت

ولا تقولن لشای انّی فاعلَ ذالک غدا الا ان یشآء اللہ

کا واضح مفہوم صرف یہی ہے کہ کسی بات کی قطعیت اور اس کی ذمہ داری کبھی اپنی طرف نہ لی جائے بلکہ اسے اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ و سلم سے جب کچھ لوگوں نے اصحاب کہف وغیرہ سے متعلق

سوالات کیے تو حضورؐ نے ان کو جواباً دوسرے دن پر ٹال دیا، انتظار روحی بھی حضورؐ نے فرمایا مگر امور تقدیریہ میں وہی ظہور میں آتا ہے جو پہلے ہی سے مقدر ہوچکا ہوتا ہے۔ امت محمدیہؐ کے لئے حضورؐ کے ہر فعل میں سرمایہ ہدایت ہے۔ چنانچہ اسی تدبیر سے اللہ نے ایک مسلمان کو عملاً تفویض و توکل اور قولاً انشاء اللہ کی تعلیم عطا فرمائی۔

ادھر حضورؐ سے پوچھنے والوں کو جواب نہ ملنے پر ان میں عام بے چینی سی پھیل گئی۔ مگر ارادۃ اللہ اپنی جگہ غالب اور اٹل تھا، تاخیر کی مصلحت ایک یہ بھی تھی کہ سب کو معلوم ہوجائے کہ حضورؐ کا کوئی کلام خود اپنی ذات سے نہیں بلکہ تحت منشائے حق ہوا کرتا ہے۔ اور انبیاءؑ اشارہ غیب ہی کے منتظر ہوا کرتے ہیں۔ وجہ تاخیر یہ بھی تھی کہ آیندہ جو جواب ہوگا وہ گویا خدا ہی کی طرف سے ہوگا۔ یہاں ایک سوال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پھر حضورؐ نے شروع میں اپنی طرف سے کیسے ضمانت دیدی تھی تو اس کا جواب یہی ہے کہ یہ بھی حقیقتاً تحت مشیت حق ہی تھا جو کبھی نہ ٹل سکتا تھا۔ جس کے بعد ہی "انشاء اللہ" کہنے کی اہمیت و ضرورت ظاہر و باہر ہوئی اور ویسے حضورؐ کے تعلق سے اللہ نے فرمایا ہے کہ آپ جو بھی فرماتے ہیں وہ تحت وحی ہی ہوتا ہے۔

وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی

(آپؐ اپنی خواہش نفس سے کوئی بات نہیں کرتے مگر وہ وحی ہوتی ہے جو کی جاتی ہے)

اعتراض

حدیث: سہیل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ میں حوضِ کوثر پر تمہارا میرا سامنا ہوگا۔ جو شخص میرے پاس سے گذرے گا پانی پیئے گا اور جو پانی پیئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ البتہ میرے پاس بہت سی قومیں آئیں گی میں ان کو پہچان لوں گا اور وہ مجھ کو پہچان لیں گی، پھر میرے اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل کردی جائے گی میں کہوں گا یہ لوگ میرے ہیں یا میرے طریقہ میں ہیں۔ اس کے جواب میں بتایا جائے گا کہ تم کو معلوم نہیں انھوں نے تمہارے بعد کیا کیا نئی باتیں پیدا کی ہیں۔ (یہ سن کر) میں کہونگا وہ لوگ دور ہوں، مجھ سے دور خدا کی رحمت سے دور جنھوں نے میرے دین میں میرے بعد تبدیلی کرڈالی ہے (مشکوٰۃ شریف جلد دوم ص ۸۰۷ حدیث ۵۳۰۶ حوض کوثر اور شفاعت کے بیان میں صحیح بخاری شریف جلد تیسری)

الجواب

علم غیب رسولؐ پر یہ ایک کھلی دلیل ہے کہ قیامت اور حشر کے بعد حوض کوثر پر جو
داد ہوگی اسے حضورؐ نے بہت ہی پہلے بیان فرمادیا ہے ۔ پھر نفی علم غیب پر حجت کیسی بات
رف یہ ہے کہ جنھوں نے دین میں تبدیلی کی وہی محروم کوثر ہوں گے اور اسی کی تاکید یہاں مقصود
ہے ۔

اعتراض

قل لا اقول لکم عندی خزاین اللہ ولا اعلم الغیب۔

ترجمہ : "آپ کہدیں کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ اللہ کے سب خزانے میرے ہی پاس ہیں
ر نہ میں غیب کا بہت زیادہ جاننے والا ہوں ۔"

الجواب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی
ں اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ مجھے تمام اگلوں اور پچھلوں سب کا علم دیدیا گیا ہے ۔ یہاں اس آیت
مفہوم یہ ہوا کہ اگر چہ میرے پاس علم غیب بھی ہے اور اللہ کے خزینے بھی میرے پاس ہیں لیکن
ہے اس پر کوئی دعویٰ نہیں ہے اور نہ ہی میری حقیقتاً ملک ہیں ۔

یہاں بھی نفی علم غیب کا انکار نہیں بلکہ زیادتی علم غیب میں انکسار ہے ۔

اعتراض

- **ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر**

ترجمہ : اگر میں بہت زیادہ غیب جاننے والا ہوتا تو ساری بھلائیاں جمع کرلیا ہوتا ۔

الجواب

یہاں بھی علم غیب کی نفی نہیں بلکہ زیادتی علم کی نفی ہے اور زیادتی سے مراد وہ علوم کلی جو
لیم مطلق کی ذات پاک کے شایانِ شان اور اسی کے زیر تصرف ہیں ۔ البتہ ذاتِ رسالتؐ پر جس کا
ظہار خود رضائے الٰہی پر ہی موقوف ہے اور بموجب آیت شریف **فلا یُظہر علی غیبہ**
حد الا من ارتضی منْ رَسول یعنی غیب کسی پر ظاہر نہیں کیا جاتا سوائے اس رسولؐ

کے جسے چُن لیا جاتا ہے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کون نبی اور رسولؐ آنے والا تھا اور گویا حضورؐ کے بعد اب کس کو یہ اعزاز حاصل تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تک اس عالم میں تشریف فرما تھے سارے علوم غیبیہ حضورؐ کے مواجہ شریف میں دست بستہ حاضر تھے۔ ایک سلسلہ لامتناہی تھا کہ سینۂ رسالتؐ پر ختم ہی نہ ہوتا تھا زیر بحث آیت کا مفہوم یہی ہے کہ حق تعالیٰ نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوادیا ہے کہ نفع و نقصان کے معاملے میں نہ میں اپنے نفس پر قادر ہوں اور نہ ہی حصول خیر کے لئے میں اپنے منشاء سے کچھ کرسکتا ہوں، بس ڈرانا اور خوشخبری دینا ہی میرا کام ہے۔

اعتراض

- **قل ما کنت بدعا من الرسل و ما ادری ما یفعل بی ولا بکم**

ترجمہ: "آپ کہدیں کہ میں کوئی (الگ ڈگر پر لے چلنے والا) رسول نہیں ہوں اور نہ میں جانتا ہوں کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے۔"

الجواب

یہاں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنے غیب عظمت و جلال کا پتہ دیا ہے اور حضورؐ کو حکم ہورہا ہے کہ آپؐ کہدیں کہ میں کوئی نیا نبیؑ نہیں ہو یعنی میری روشِ تبلیغ بھی پچھلے انبیاء ہی سنت ہے اور میری رسالت کا شہرہ تو آدمؑ ہی سے چلا آرہا ہے اور ایسے عالم میں کوئی اٹکل پچو یا ہوائی بات اپنے یا تمہارے سامنے نہیں جانتا۔ یہاں مآ ادری ۔ لآ ادری یعنی میں بالکل ہی نہیں جانتا کے معنی میں نہیں ہے۔ کیوں کہ ہوسکتا ہے حق تعالیٰ اپنی شانِ قدوسیت سے خود اپنی ذات خاص میں جو کچھ بھی حضورؐ اپنے اور دوسروں کے بارے میں جانتے ہیں اس کے برعکس بھی چاہیں تو کریں۔ اس لئے کہ وہی روز آخرت کے مالک و مختار ہیں۔ اصل میں اس آیت میں بتایا گیا ہے [illegible] صرف عفو و مغفرت پر تکیہ کرکے نچنت (بے فکر) نہ رہے بلکہ خوف و رجاء کے ساتھ ایمان اور عمل صالح میں لگا رہے۔ مفسرین نے اس آیت کو منسوخ کہا ہے، اور اس سے ہٹ کر بھی حضورؐ کو حق ہے کہ خدا کی بارگاہ جلال و جبروت میں اپنے شایانِ بندگی خوف خشیت ہی رکھیں۔ لیکن ہم اتباعِ محمدیؐ اور غلامانِ رسولؐ کو معلوم ہے کہ ہر نبی معصوم ہی ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تو ان کی ساری اگلی پچھلی لغزشیں اللہ نے معاف ہی کردیں۔ اللہ فرماتا ہے:

انا فتحنا لک فتحا مبینا • لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر

" یعنی ہم نے آپ کو ایک کھلی فتح عطا فرمائی تاکہ اللہ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے۔"

اللہ نے یہی نہیں کیا بلکہ حضورؐ کے صدقہ میں مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے بھی جنت کی بشارت عطا فرمادی، تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ بقول حضرت ابن عباسؓ اس آیت کے بعد آیت:

لیغفر لک اللہ۔۔۔۔۔۔الخ اتری ہے۔

اسی طرح حضرت عکرمہؓ حضرتِ حسنؓ قتادہؓ بھی اسے منسوخ بتلاتے ہیں۔

" یہ بھی منقول ہے کہ جب آیتِ بخشش اتری جس میں فرمایا گیا :تاکہ اللہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخشے تو ایک صحابیؓ نے کہا حضورؐ ! یہ تو اللہ نے بیان فرمادیا کہ وہ آپ کے ساتھ کیا کرنے والا ہے پس وہ ہمارے ساتھ کیا کرنے والا ہے ؟ اس پر آیت **لیدخل المومنین و المومنات جنات تجری من تحتها الانهار** اتری یعنے تاکہ اللہ مومن مردوں اور عورتوں کو ایسی جنت میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ صحیح حدیث میں یہ تو ثابت ہے کہ مومنوں نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ کو مبارک ہو، فرمائے ہمارے لئے کیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔" پارہ (۲۶/۱)

کس قدر افسوس ہے اس امتی پر جو اپنے ہی رسول کریمؐ کے تعلق سے مشتبہ ہے، وہ رسولؐ جس نے دوسروں کے جنتی ہونے کی بشارتیں دی ہیں جس کے عشرہ مبشرہ حضرت ابن سلام اور عمیصاؓ اور بلالؓ اور سراقہ عبداللہ بن عمر بن حرام جو حضرت جابرؓ کے والد ہیں۔ اور وہ ستر قاریؓ جو بیرِ معونہ کی جنگ میں شہید کئے گئے۔ اور زیدؓ بن حارثہ اور جعفرؓ اور ابن رواحہؓ اور ان جیسے اور بزرگ رضی اللہ عنھم اجمعین (بحوالہ تفسیر ابن کثیر) کیا اب بھی ایسے (اعتراض کرنے والے) شخص کی منافقت پر کوئی شبہ ہوسکتا ہے۔

اعتراض

• **لا تعلمهم نحن نعلمهم** (ترجمہ) تم انکو نہیں جانتے ہم ہی ان کو جانتے ہیں۔

الجواب

یہ آیت منافقین کے تعلق سے ہے اور جن کو حضور صلی اللہ علیہ وصلعم کے علم غیب پر شک ہے ان کو اس آیت سے بڑا سکون ہوجاتا ہے، حالانکہ یہ آیت منسوخ ہے۔ اور اللہ نے پارہ ۲۶ رکوع ۸ میں فرمادیا ہے کہ آپ ان منافقین کو بات کے لہجہ ہی سے پہنچان لیں گے۔ " **ولتعرفنهم في لحن القول** " منافقین نے غزوہ تبوک میں حضورؐ کے خلاف سازش کی اور آپؐ کے قتل کا (نعوذ باللہ) ارادہ کرلیا طے کرلیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات میں فلاں گھاٹی کے قریب پہونچیں تو آپؐ کی اونٹنی کو بدکادیں اس طرح حضورؐ کو صدمہ پہونچے گا گویا حضورؐ بالکل نیچے زمین پر آرہیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہؓ کو بلوا کر اس واقعہ کی خبر دی اور ان غداروں کے نام بھی بتلادیئے۔ ابن کثیر میں مسند احمدؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ

" ایک خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حمد وثناء کے بعد فرمایا کہ تم میں بعض لوگ منافق ہیں، پس میں جس کا نام لوں وہ کھڑا ہوجائے پھر فرمایا اے فلاں کھڑا ہوجائے، اے فلاں کھڑا ہو جا یہاں تک کہ چھتیس ۳۶ اشخاص کے نام لئے۔"

آیت زیر بحث میں اصل میں منافقین کے تعلق سے اللہ نے اپنی احاطت علمی کا اظہار فرمایا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کے تعلق سے ایک شخص سے جب کہ وہ اس سے واقف ہو کہتا ہے کہ بھائی تم اس کو کیا جانو اسے تو میں ہی جانتا ہوں یعنی مجھے اس سے اچھی طرح سابقہ پڑا ہے اس لئے میں خوب جانتا ہوں۔

اعتراض

- **ويسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربي وما اوتيتم من العلم الا قليلا**

ترجمہ: وہ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ کہدیں کہ روح تو امر رب سے ہے اور تم کو علم نہیں دیا گیا مگر بہت کم۔

الجواب

اس آیت میں سمجھا جاتا ہے کہ حضورؐ کو روح کا علم نہ تھا، روح " امر ربّ " ہے۔ یہ اللہ نے بتادیا اور **وما اوتيتم من العلم الا قليلا** میں تقلیل علم کی نسبت پوچھنے والوں کی

طرف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں۔ صوفیا کے نزدیک روح کل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حقیقت ہے جس کو وہی تفصیل سے جانتے ہیں اور کائنات کا ہر ذرہ اسی فیضان سے مملو ہے۔

محمدؐ روح عشق و جان عشقست　　　　محمد جان وہم جانانِ عشقست

اعتراض

• **قل لا یعلم من فی السموت والارض الغیب الا اللّٰہ** اللہ یعنی آپ کہہ دیں کہ زمین وآسمان میں سوائے خدا کے کوئی بھی غیب کو نہیں جانتا۔

الجواب

مفہوم یہہ ہے کہ علم غیب بالذات تو صرف خدا ہی کو ہے لیکن بعض اولوالعزم فرشتے اور کچھ انبیاء علیہم السلام کو اللہ نے ان کی حسبِ صلاحیت اکثر علوم غیبیہ سے مطلع فرمادیا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو عالم الغیب نے قاسم علم الغیب قرار دیا لفظ قل شاہد ہے کہ حضورؐ من فی السموت والارض کی عمومیت سے ممتاز ہیں۔ جیسا کہ فرمایا گیا "۔ **وما هو علی الغیب بضنین**۔ "یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو علم غیب سے مطلع کرنے پر بخیل نہیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حضورؐ دوسروں کو علم غیب بتانے پر اپنے آپ مختار ہیں اور آپ پر عمومی طور پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے، اسی لئے حضور کی صفت عطا کے کمال کو "بخیل نہیں ہیں" کہہ کر ظاہر کیا جارہا ہے گویا آپ کو کھلے طور پر پوچھنے والوں کو غیب کی اطلاع کرتے رہنے پر بالکلیہ اجازت دے دی گئی ہے۔ کیوں کہ لفظ ضنین یا بخیل سے اس بات کی صراحت ہورہی ہے کہ نبیؐ تو تحتِ امر حق ہی کسی غیب پر مطلع ہو کر ہی بعد اجازت اظہار کرسکتا ہے مگر حضورؐ تو حسبِ طلب و سوال ہر آن مطلع علی الغیب رہ کر ہی بلا شرط زمان و مکان کسی سائل کو محروم جواب نہیں فرماتے۔ کیوں کہ آپ کو اپنے مزاج مبارک میں کلیتہً اختیار دے دیا گیا ہے۔ گویا غیب سے مطلع رہ کر غیب کی خبر دینا آپ کی صفت ذات میں داخل ہے۔ تب ہی تو فرمایا گیا ہے۔ **یُعلّمھُم الکتاب والحکمة** یعنی آپ کتاب الٰہی کی تعلیم اور اس کے حقائق و حکم کو بیان فرمانے والے ہیں اور اسی لئے حضورؐ کی طبع کریم کا رخ دیکھ کر حضورؐ کو حکم ہورہا ہے کہ آپ سائل کو رد نہ کریں بلکہ آپ اپنی معطیہ نعمتوں میں سے مانگنے والے کی جھولی میں اس کے حسب حال کچھ نہ کچھ ڈال دیں۔ **واما السائل فلا تنهر واما بنعمة ربک فحدث**ؐ

ازل کے دن سے ترے لطف کا بھکاری ہوں　　　　اِدھر بھی چشم کرم میں تیرا پجاری ہوں

اعتراض

عفا اللہ عنک لما اذنت لھم

ترجمہ: اللہ آپ سے درگذر کرے آپ نے انھیں کیوں اجازت دی۔

الجواب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت ہیں افراد امت کے عذرات خواہ وہ کسی حیلہ تراشی کی بنیاد پر کیوں نہ ہوں مگر چونکہ وہ قانونِ شریعت کے بظاہر مطابق ہیں اس لئے سمع اشرف تک پہنچ کر شرفِ قبولیت پالیتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح کی کرم نوازیوں سے لوگوں کی کمزوریوں پر پردے پڑ جایا کرتے منافقین حضورؐ کے اس خلقِ عظیم سے ہمیشہ فائدہ اٹھاتے رہے، غزوہ تبوک میں جب منافقین نے مختلف بہانے کرکے شرکت نہ کی تو اس وقت بھی حضورؐ نے انھیں اجازت دے دی جس کی وجہ سے مندرجہ صدر آیت نازل ہوئی یہاں اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ حضورؐ کو علم غیب ہوتا تو اجازت ہی نہ دی جاتی یعنی اجازت کا دے دینا علم غیب کے نہ ہونے کی وجہ سے تھا۔ لیکن آیت زیر بحث شاہد ہے کہ حضورؐ کو علم غیب تھا۔ تب ہی تو اجازت کے دے دینے پر حضورؐ سے درگذر فرمایا جارہا ہے۔

اعتراض

● "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن فرمایا الٰہی! سفیان پر لعنت بھیج۔ الٰہی حارث بن ہشام پر لعنت بھیج الٰہی صفوان بن امیہ پر لعنت بھیج (مختصر) ترمذی شریف جلد دوم ص ۱۶۶ حدیث ۸۶۳ سورہ آل عمران کی تفسیر میں۔

اے عزیز میرے! کتاب شریعت یا جہالت پڑھنے والے خوب دھیان سے پڑھنا اس حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آدمیوں کے نام لے کر لعنت کر رہے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔

قرآن شریف کے چوتھے پارہ میں سورہ آل عمران کے تیرھویں رکوع کے اندر آیت نمبر (۱۲۸) میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! تمہارے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ خدا چاہے تو انکی توبہ قبول کرے چاہے تو عذاب کرے کیوں کہ وہ ظالم ہیں۔"

اس آیت شریف کی تفسیر میں اور اوپر والی حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ جن لوگوں پر حضورؐ نے لعنت بھیجی تھی وہ سب مسلمان ہوگئے اور ان کا اسلام اچھا ہوا یعنی پکے مسلمان اور مومن ہوکر دنیا سے رحلت فرمائی یہ تینوں شخص دشمن کی فوج کے سردار تھے کہتے ہیں کہ جنگ احد والے دن لڑائی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دانت مبارک شہید ہوگیا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی زخم الگ تھے۔ اس وقت آپ نے ناراض ہوکر ان لوگوں پر لعنت بھیجی تھی تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو لعنت کرنے سے منع فرمادیا۔

"اب آپ ہی انصاف کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر علم غیب ہوتا کہ یہ لوگ مسلمان ہوجانے والے ہیں اور میری لعنت پر اللہ تعالیٰ ممانعت کا حکم نازل فرمائے گا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز لعنت نہیں فرماتے۔ مگر بات یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم نہیں تھا۔

الجواب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ پاک تمام امور غیبیہ سے مطلع تھا اور کتاب لوح محفوظ بھی آپ پر آشکار تھی۔ بمصداق آیت: **ولا اصغر من ذالک ولا اکبر الا فی کتاب مبین** ۔آپ تمام علوم مندرجہ کتاب سے باخبر تھے۔ اور بہ حیثیتِ حامل قرآن آپ پر جزُتا کل سب ہی کھل چکا تھا اور یہ جانتے ہوئے کہ کچھ مخالفین اسلام بعد کو مسلمان ہوجائیں گے ان پر لعنت کئے جانے کا مفہوم یہی تھا کہ چونکہ ان کی شدت مخالفت اور ان کی سختیاں اس حد تک بڑھ چکیں تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل ان کا آہنی تشدد بہت آگے بڑھ چکا تھا جس کی ضرب کاری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو اس قدر متاثر کردیا کہ آخر آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ بے ساختہ نکل گئے کہ

"وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبیؑ کے ساتھ یہہ سلوک کیا حالانکہ نبی تو خدا کی طرف ان کو بلاتا تھا۔"

● ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ حضور کو اگلوں اور پچھلوں تمام انسانوں کا علم اللہ نے عطا فرمایا یعنے ان میں کون مسلمان اور کون کافر ہوگا، یہ سب حضورؐ کو علم تھا اس کے باوجود اگر حضور نے چند نام لے کر ان پر لعنت بھیجی ہے تو اس میں کوئی مصلحت تھی جسے خود حضورؐ ہی بہتر جانتے تھے۔ قطع نظر اس کے معترض نے جس حدیث کو پیش کیا ہے وہ درجہ استناد کو نہیں پہونچتی، اس حدیث کو غریب کہا گیا ہے، تفاسیر میں کہیں صراحت نہیں ملتی۔ قرآن خود بھی نہیں بتارہا ہے کہ

حضورؐ نے کس پر لعنت بھیجی تھی، صرف اس حد تک ارشاد ہے کہ
"آپ کے اختیار میں کچھ نہیں ہے، خدا چاہے تو توبہ قبول کرے چاہے تو عذاب دے، کیوں کہ وہ ظالم ہیں۔"

معترض نے اس ضمن میں ترمذی شریف کا حوالہ تو دیا لیکن اس کے خُبثِ باطن نے کتاب میں اس حدیث کی کونسی قسم بتائی گئی ہے اس پر پردہ ڈالدیا حالانکہ آیت زیر ترجمہ کی تفسیر میں ابتداً دو احادیث اور بھی لکھی گئی ہیں جنھیں حدیث حسن اور صحیح کہا گیا ہے، مگر معترض تو خواہی نخواہی خاکم بدہن صرف عیب ڈھونڈنا چاہتا ہے اور یہی اس کے نفس کا تقاضا ہے قرآن نے کسی جگہ بالکل صحیح فرمایا ہے کہ :

"یہ منافقین تمہارے دشمن ہیں۔"

اگر لعنت بھیجے جانے کی بات کو تسلیم بھی کیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دندانِ مبارک کے شہید ہونے کا صدمہ جو حضورؐ کو پہونچا وہ لعنت بھیجے جانے سے کہیں زیادہ شدید تھا اور کلمہ لعنت تو حالتِ کفر میں کئے گئے اقدام کا بدل تھا۔

آیت زیر ترجمہ سے اشارا ملتا ہے کہ حق تعالیٰ جانتے ہی ہیں کہ مزاج رسالتؐ پر یہ گستاخی کس قدر گراں گزری جب کہ مرتکبین میں وہ بھی شامل تھے جو مستقبل قریب میں اسلام لانے والے تھے اسی لئے اللہ نے حضورؐ پر یہ بات واضح فرمادی کہ اختیار صرف ہم ہی برتتے ہیں اس میں گویا یہ رمز ہے کہ حضورؐ کی ایک جنبشِ چشم و ابرو سے جہاں قبلہ گاہ بدل دی جاسکتی ہے وہاں کیا عجب کہ لوگوں کے دین و ایمان ہی سلب و محو ہوجائیں کیوں کہ خالق کائنات کے نزدیک تو حضورؐ کی محبت کا سارا معاملہ بس اسی حد تک ہے کہ

"مجھ کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں"

★★★★★

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(ماخوذ از سیرت النبیؐ)

حضورؐ کے علم غیب کی جھلکیاں

● احادیث میں متعدد صحابہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپؐ خطبہ دے رہے تھے بعض صاحبوں نے کچھ سوالات کئے جن کو آپ نے پسند نہیں کیا آپ کو جوش آگیا۔

آپ نے فرمایا سَلُونِیْ عما شئتم (جو چاہو مجھ سے دریافت کرلو) ایک شخص نے اٹھ کر کہا یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا "حذافہ" دوسرے نے اٹھ کر کہا اور میرے باپ کا نام کیا ہے فرمایا "سالم غلام شیبہ" اور بار بار آپ فرماتے جاتے تھے پوچھو مجھ سے پوچھو مجھ سے یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم کو اللہ اپنا پروردگار محمدؐ اپنا رسولؐ اور اسلام اپنا دین پسند ہے" (صحیح بخاری کتاب العلم باب الغضب فی الموعظة والتعلیم)

● صحابہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آپ نے صبح کی نماز پڑھ کر تقریر شروع کی یہاں تک کہ ظہر کا وقت آگیا ظہر کی نماز سے فارغ ہوکر پھر تقریر کی اس کے بعد عصر کی نماز پڑھی، اس سے فارغ ہوکر غروب آفتاب تک پھر تقریر کا سلسلہ جاری رہا، اس طویل خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جو کچھ ہوچکا اور جو کچھ ہوگا۔ یعنی آغاز آفرینش سے لے کر قیامت تک کے واقعات، پیدائش عالم، علامات قیامت، فتن، حشر و نشر سب کچھ سمجھایا، صحابہؓ کہا کرتے تھے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ بہت کچھ بھول گئے بعضوں کو بہت کچھ یاد ہے ان واقعات میں سے جب کوئی واقعہ پیش آجاتا ہے، تو ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی شخص کی صورت ذہن سے اتر جاتی ہے پھر اس کو دیکھ کر یاد آجاتی ہے۔ (صحیح مسلم باب اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم **فیما یکون الی قیام الساعة**)

● نجاشی شاہ حبش جس کے سایہ حکومت میں جاکر مسلمانوں نے پناہ لی تھی اور جس نے اسلام کی صداقت کا اعتراف کیا تھا، جس دن اس نے حبش میں وفات پائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اس سانحہ کی اطلاع دی آپؐ نے فرمایا کہ آج تمہارے بھائی نجاشی نے وفات پائی اور اس کے بعد اس کے جنازہ کی نماز غائبانہ ادا فرمائی۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز صحیح مسلم)

● ۸ ہجری میں جب غزوہ موتہ پیش آیا ہے تو آپؐ نے فوج کا علم زیدؓ بن حارثہ کو عنایت کیا اور فرمایا کہ جب زیدؓ شہید ہوں تو یہ امانت جعفرؓ کے سپرد کی جائے۔ جب وہ بھی جان بحق ہوں تو عبداللہ بن رواحہؓ اس خدمت کو انجام دیں اور جب وہ بھی کام آجائیں تو مسلمان اپنے مشورہ سے جس کو چاہیں اپنا سردار بنائیں، یہ افسری اور سرداری کے متعلق ترتیبی بیان اور حقیقت واقعہ کا اظہار تھا۔ میدان جنگ میں پہلے زیدؓ نے شہادت پائی ان کی جانشینی جعفرؓ نے کی، وہ بھی جب علمِ نبوتؐ پر قربان ہوچکے تو عبداللہ بن رواحہؓ نے پیش قدمی کی جب وہ بھی نثار ہوگئے تو مسلمانوں نے خالدؓ بن ولید کو اپنا افسر بنایا۔ چوں کہ اس جنگ میں رومیوں کی عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا، اس لئے مسلمانوں کو بڑا اضطراب تھا۔ عین اس وقت جب مدینہ سے کوسوں دور شامؔ کی سرحد پر یہ خونی مناظر درپیش تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبویؐ میں منبر پر تشریف فرما تھے دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور فرمارہے تھے علم کو زیدؓ نے لیا وہ شہید ہوگئے پھر جعفرؓ نے لیا وہ بھی جان بحق ہوئے تو عبداللہ بن رواحہؓ نے لیا انھوں نے بھی شہادت پائی تو خالد بن ولید نے لیا اور ان کو فتح دی گئی۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز باب علامات النبوۃ فی السلام و غزوہ، موتہ)

● ایک غزوہ میں ایک شخص نہایت جانبازانہ حملے کررہا تھا صحابہؓ نے دیکھا تو اس کی بڑی تعریف کی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ جہنمی ہے صحابہؓ کو اس پر تعجب ہوا۔ اور ایک صحابیؓ اس کے پیچھے ہولئے ایک موقع پر اس کو سخت زخم لگا اور اس نے بے صبری کی حالت میں خودکشی کرلی وہ صحابیؓ خدمت مبارک میں دوڑے ہوئے آئے اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے رسول ہیں آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا واقعہ ہے تو انھوں نے عرض کیا کہ ابھی حضورؐ نے ایک شخص کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے۔ لوگوں کو اس پر تعجب ہوا تھا میں اس لے پیچھے ہولیا میں نے دیکھا کہ ایک زخم کے صدمہ سے اس نے خودکشی کرلی۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد صفحہ ۴۰۶ باب العمل بالخواتیم ۹۷۷)

● ایک غزوہ میں ایک شخص شریک تھا، وہ قتل ہوا کسی نے آکر خبر دی کہ یا رسول اللہ! فلاں شخص شہید ہوگیا فرمایا کہ یہ ناممکن ہے شہادت اس کے لئے کہاں میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے کیوں کہ مالِ غنیمت میں اس نے ایک عبا چرائی تھی۔ (جامع ترمذی باب ما جاء فی الغلول)

● مسلمانوں نے ۸ ہجری میں طائف کا محاصرہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوچکا تھا کہ طائف کی فتح اس محاصرہ سے مقدر نہیں، اس لئے ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل انشاء اللہ ہم محاصرہ چھوڑ کر کوچ کریں گے لوگوں کو اتنی محنت و زحمت کے بعد حصول فتح کے

بغیر واپسی شاق ہوئی ۔ اور انہوں نے کہا ہم فتح حاصل کئے بغیر چلے جائیں آپؐ نے فرمایا "اچھا کل پھر قسمت آزمائی کرلو چنانچہ دوسرے دن مسلمان لڑے تو ان کو زیادہ نقصانات پہونچے شام ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کل انشاء اللہ ہم محاصرہ چھوڑ کر چلے جائیں گے ۔ مسلمانوں کو اس سے تعجب ہوا ۔ اور آپ مسکرادیئے صحیح بخاری و مسلم غزوہ طائف یہ گویا اس بات کا اظہار تھا کہ تمہیں میری طرح حقیقت حال کا علم نہ تھا ۔

● عمیر بن وہب اسلام کا سخت دشمن تھا ، وہ اور صفوان بن امیہ دونوں خانہ کعبہ میں بیٹھ کر بدر کے مقتولین پر ماتم کررہے تھے اور بالآخر ان دونوں میں پوشیدہ طور سے یہ سازش قرار پائی کہ عمیر مدینہ جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکے سے قتل کر آئے اور اگر وہ مارا گیا تو صفوان اس کے تمام قرض اور گھر کے مصارف اور اولاد کی پرورش کی ذمہ داری اپنے سر لے گا ۔

عمیرؔ یہاں سے اٹھ کر گھر آیا اور تلوار کو زہر میں بجھا کر مدینہ کو چل کھڑا ہوا مدینہ پہونچا تو حضرت عمرؓ نے اس کو دیکھ لیا وہ اس کو پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے آپ نے پوچھا کہ عمیرؔ یہاں کس ارادہ سے آئے ہو ؟ اس نے کہا اپنے بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں فرمایا کیوں نہیں ؟ کیا تم نے اور صفوانؔ نے خانہ کعبہ میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی ہے ۔ عمیرؔ یہ راز کی بات سن کر سناٹے میں آگیا ۔ اور اس کو سخت تعجب ہوا اور بے اختیار بول اٹھا کہ محمدؐ بیشک تم خدا کے پیغمبر ہو ، خدا کی قسم میرے اور صفوانؔ کے سواء کسی تیسرے کو اس معاملہ کی خبر نہ تھی
(تاریخ طبری بروایت عروہ بن زبیرؓ ص ۳۵۴ ۔ طبع یورپ)

● حضرت وابصہ اسدی صحابیؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اس غرض سے حاضر خدمت ہوا کہ نیکی اور گناہ کی حقیقت دریافت کروں لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کہوں آپ نے فرمایا وابصہ ! میں تمہیں بتاؤں کہ تم کیا پوچھنے آئے ہو ؟ عرض کی ارشاد ہو فرمایا تم نیکی اور گناہ کی حقیقت پوچھنے آئے ہو عرض کی قسم اس ذات کی جس نے آپ کو بھیجا ، آپ نے سچ فرمایا ارشاد ہوا نیکی وہ ہے جس کے کرنے کے خیال سے تمہارے دل میں انشراح وہ خوشی پیدا ہو اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹک پیدا کرے اگر چہ لوگوں نے اس کے کرنے کا فتویٰ ہی کیوں نہ دے دیا ہو ۔ مسند ابن حنبل
(حدیث وابصہ الاسدی و ابویعلی و بیہقی و ابو نعیم فی حلیۃ الاولیاء ذکر وابصہ بن معبد الجہنی وبزاز)

● ایک دفعہ ایک صحابیہؓ نے آپ کی دعوت کی بکری ذبح کی اور آپ کو اور دیگر رفقاء کو کھانا کھانے کے لئے بلایا آپؐ تشریف لے گئے اور گوشت کا ایک لقمہ ابھی چکھا ہی تھا کہ فرمایا یہ بکری اپنے مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کی گئی ہے ۔ داعیہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ آلِ معاذ اور

ہمارے خاندان میں پوچھنے گچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ ہماری چیز بے تکلف لیتے ہیں ۔ اور ہم ان کی چیز دوسری روایت میں ہے کہ اس نے جواب دیا کہ ہاں یا رسول اللہ ! میں نے اپنی پڑوسن سے یہ بکری مانگی اس نے اپنے شوہر سے پوچھے بغیر دے دی (سنن ، نسائی وحاکم فی المسند اکر ۔ عن جابر)

● غزوۂ خیبر میں ایک یہودیہ نے آپؐ کی دعوت کی کھانے میں بکری کا گوشت تھا آپؐ نے چند رفقاء کے ساتھ اس کو کھانا چاہا ابھی پہلا ہی لقمہ اٹھایا تھا کہ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ ہاتھ روک لو اس گوشت میں زہر ملایا گیا ہے ۔ اس کے بعد آپؐ نے حکم دیا کہ خیبر کے تمام یہود جمع کیا جائے جب وہ جمع ہوچکے تو آپ نے دریافت کیا کہ جو کچھ میں پوچھوں گا تم سچ سچ بتاؤ گے انھوں نے ہاں کہا ۔ آپؐ نے فرمایا تمہارے باپ کا کیا نام ہے ۔ انھوں نے کچھ بتایا ۔ آپؐ نے فرمایا تم جھوٹے ہیں تمہارے باپ کا یہ نام ہے ۔ اس امتحان کے بعد آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تم نے بکری کے گوشت میں زہر ملایا تھا ۔ انھوں نے کہا ہاں آپؐ کو کیوں کر معلوم ہوا ؟ فرمایا کہ بکری کے اس دست نے مجھ سے کہا ۔ (سنن ابی داؤد کتاب الدیات و داری باب الکلام الموتی و بیہقی)

● حضرت صہیبؓ بن سان جو صہیبؓ رومیؓ کے نام سے مشہور ہیں ۔ جس شب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی انھوں نے بھی ہجرت کرنی چاہی لیکن کفار مکہ نے ان کو روک دیا وہ رات بھر کھڑے رہے ، اور بیٹھنے کا نام بھی نہیں لیا کفار نے ان کی اس حالت کو دیکھ کر کہا کہ چلو اس کو تو پیٹ کے عارضہ نے خود ہی مجبور کردیا ہے یہ کہکر وہ چلے گئے انھوں نے نگہبانوں سے اپنے کو آزاد پاکر مدینہ کا راستہ لیا ۔ کافروں نے ان کو پکڑ لیا آخر کچھ زر و نقد دیکر ان سے رہائی حاصل کی ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھنے کے ساتھ فرمایا اے ابو یحییٰ ! تمہاری خرید و فروخت بڑی نفع کی رہی حضرت صہیبؓ نے عرض کی یا رسول اللہ مجھ سے پہلے کوئی یہاں آیا نہیں جو اس راز کی آپ کو خبر کرتا یہ یقیناً آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہوا (مستدرک حاکم جلد ثالث صفحہ ۴۰۰ بروایت صحیح ذہبی نے بھی اس کی تصریح کی ہے ، ذکر ہجرۃ صہیبؓ)

● حضرت حذیفہؓ کی والدہ مکرمہ نے ایک اپنے بیٹے پر عتاب کیا کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اتنے دن ہوگئے کیوں نہ گئے انھوں نے معذرت کی اور کہا کہ آج جاکر اپنی اور آپ کی مغفرت کی دعا کروں گا ۔ چنانچہ وہ مغرب میں جاکر حاضر ہوئے عشاء کی نماز کے بعد جب آپ واپس ہوئے تو یہ بھی پیچھے چلے آپؐ نے آواز پہچان کر فرمایا کون ! حذیفہ ! خدا تمہاری اور تمہاری ماں کی مغفرت کرے (جامع ترمذی مناقب حسینؓ) گویا سوال سے پہلے ہی حذیفہؓ کی درخواست سمع اقدس تک پہنچ چکی تھی ۔

- صحابہؓ کو آپؐ کی اس قوتِ اطلاع کا اس قدر یقین تھا کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے صحابہؓ کو اپنے ایک ایک عمل کا خوف لگا رہتا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ خدا آپ کو اس سے باخبر کر دے یہاں تک کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہم لوگ اپنی بیویوں سے بھی کھل کر ملتے ہوئے ڈرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ ہماری نسبت قرآن میں کچھ نازل ہو جائے تو رسوائی۔ (صحیح بخاری مسند احمد ج ۲ ص ۶۲) علاوہ ازیں منافقین کے تمام اندرونی حالات اور ناموں سے بھی آپ کو ایک کر کے واقفیت تھی۔ (صحیح بخاری)
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کی یہ کیفیت تھی کہ تمام عرب کاہنوں کے جال میں گرفتار تھا۔ عرب کے تمام مشرکانہ معابد کاہنوں کے دارالسلطنت تھے جن میں بیٹھ کر وہ عرب کے دل و دماغ پر حکومت کر رہے تھے مشہور کاہنوں کے پاس لوگ دور دور سے سفر کر کے آتے تھے اور ان سے مستقبل اور غیب کی باتیں دریافت کرتے تھے وہ ایک خاص قسم کی مقفیٰ مسجّع عبارتوں میں ان کو غیب کی اور مستقبل کی باتیں بتاتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب پیغمبر بنا کر عربوں کے درمیان بھیجے گئے تو ان کے لئے ثبوت نبوت کی سب سے بڑی دلیل یہی اخبار غیب اور پیشگوئی کیں اور مستقبل کے واقعات اور باتوں کو رائی العین کی طرح پیش فرمایا۔ اور وہ سب کے سب بے کم و کاست پوری اتریں۔
- غزوہ خندق کے موقع پر جب خندق کھودتے ہوئے ایک سخت پتھر حائل ہو گیا تھا اور صحابہؓ اس کے توڑنے سے عاجز ہو چکے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزنما ضرب خارا شگاف سے پتھر کے ٹکڑے کر دیئے تھے تو آپؐ نے تین ضربیں ماریں تھیں اور ہر ضرب کے بعد ایک چنگاری سی اڑتی تھی اور آپؐ ہر بار نعرہ لگاتے تھے۔

وتمت کلمة ربک صدقا وعدلًا لا مُبدل لکلمته هوا السمیعُ العلیم (انعام ۱۴)
اور آپؐ کے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف سے پوری ہوئیں۔ اس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا اور وہی سننے والا جاننے والا ہے۔

بعض صحابہؓ نے حقیقت دریافت کی، فرمایا جب میں نے پہلی ضرب ماری تو کسریٰ کے شہر اور ان کے اردگرد میرے سامنے کر دئے گئے یہاں تک کہ میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے ان کو دیکھا حاضرین نے عرض کی یارسول اللہ! دعا کیجئے کہ وہ فتح ہوں آپ نے دعا فرمائی پھر فرمایا دوسری ضرب میں قیصر کے شہر اور اس کے آس پاس کے مقامات دیکھے حاضرین نے پھر عرض کی یارسول اللہ ان کی فتح کی بھی دعا فرمائے آپؐ نے دعا کی پھر ارشاد ہوا کہ تیسری ضرب میں حبشہ

کے شہر اور گاؤں نگاہوں کے سامنے آئے اور پھر فرمایا حبشہ والے جب تک تم سے تعرض نہ کریں تم بھی تعرض نہ کرو اور ترکوں کو اس وقت تک چھوڑ دو جب تک وہ تمہیں چھوڑ دیں (سنن، نسائی، کتاب الجہاد)

یہ پیشگوئی تو تمثیلی شکل میں تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے اور صریح الفاظ میں بھی بشارت سنادی تھی۔ فرمایا تم لوگ جزیرہ عرب میں لڑو گے اور فتح ہوگی۔ (صحیح مسلم کتاب الفتن)

عین اس وقت جب کسریٰ (ایران) اور قیصر (روم) کی حکومتیں پورے جاہ و جلال سے دنیا پر حکمران تھیں اور بظاہر ان کی بربادی کا کوئی سامان نہ تھا کہ مکہ کے منادیؐ حق نے یہ پیشگوئی کی

اذا هلک کسری فلا کسری بعد و اذا هلک قیصر فلا قیصر بعده جب کسریٰ ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو پھر دوسرا قیصر نہ ہوگا۔ (صحیح بخاری باب علامات النبوۃ و صحیح مسلم وغیرہ)

نہ صرف تاریخ بلکہ آج بھی دنیا کا مشاہدہ اس آواز کی صداقت سے معمور ہے، ایرانی مجوسیوں کی شہنشاہی کی شکست کے بعد کیا پھر کسی ایرانی مجوسی شہنشاہ کا تاجِ خسروی کسی نے دیکھا اور رومی شہنشاہی کی بربادی کے بعد رومی قوم کا وجود بھی اس سطحِ زمین پر کہیں نظر آیا؟

● حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ میرے گھر تشریف لائے اور دریافت کیا کہ کیا قالین ہے؟ عرض کی ہمارے پاس قالین کہاں؟ ارشاد فرمایا کہ ہاں عنقریب تم قالینوں اور عمدہ فرشوں پر بیٹھو گے، حضرت جابر کہتے ہیں کہ وہ دن آیا جب ہم قالینوں پر بیٹھے اب میں اپنی بیوی سے کہتا ہوں کہ قالین ہٹالے جاؤ تو کہتی ہے کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشنگوئی ہے۔ (صحیح بخاری باب علامات النبوۃ)

● عدیؓ بن حاتم کا بیان ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ دو شخص آئے ایک نے بھوک کی اور دوسرے نے رہزنی کی شکایت کی، آپ نے عدیؓ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا "کیوں عدی! تم نے حیرہ کو دیکھا ہے؟" انہوں نے کہا دیکھا تو نہیں ہے لیکن اس کو جانتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ حیرہ سے ایک ہودج نشین عورت چل کر خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اُس کو خدا کے سواء کسی کا خوف نہ ہوگا اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ کسریٰ کا خزانہ فتح کرلیا گیا! اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے ایک شخص مٹھی بھر

کرنے والا نہ ملے گا عدیؓ کے دل میں یہ بات کھٹکتی تھی کہ آخر قبیلہ ءطے کہ وہ ڈاکو کیا ہو جائیں گے جنھوں نے تمام ملک میں آگ لگا رکھی ہے لیکن خود عدیؓ کا بیان ہے کہ میں نے دیکھ لیا کہ حیرہ سے ایک پردہ نشین عورت تنہا چل کر آتی ہے اور خانہ کعبہ کا طواف کر کے واپس جاتی ہے اور اس کو خدا کے سواء کسی کا ڈر نہیں ہوتا، ان کا بیان ہے کہ جن لوگوں نے کسریٰ کا خزانہ فتح کیا ان میں میں بھی تھا، صرف تیسری پیشین گوئی میرے سامنے پوری ہونے سے رہ گئی ہے جو لوگ زندہ رہیں گے وہ اس کو بھی پورا ہوتے ہوئے دیکھ لیں گے (صحیح بخاری باب علامات النبوۃ) چنانچہ راویوں کا بیان ہے کہ بنی امیہ کی سلطنت کے زمانے میں یہ واقعہ بھی بعینہٖ گذرا۔

ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کو مدینہ منورہ کا دارالامان مل گیا اور اسلام روز بروز ترقی کرنے لگا، یہ دیکھ کر قریش کے سردار مدینہ پر حملہ کی تدبیریں سوچنے لگے اسی اثناء میں انصار کے ایک رئیس سعدؓ عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ معظمہ گئے اور ابو صفوان (امیہ) کے گھر جا کر مہمان ہوئے ابو صفوان ایک دفعہ موقع پا کر ان کو طواف کرانے لایا وہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ ابو جہل نکل آیا اس نے کہا " تم مکہ آکر بے خوف و خطر کعبہ کا طواف کرتے ہو، حالانکہ تم نے بے دینوں (مسلمانوں)کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے اور سمجھتے ہو کہ خدا اور رسولؐ کی تم نصرت کر رہے ہو، خدا کی قسم اگر ابو صفوان کے ساتھ تم نہ ہوتے تو یہاں سے سلامت گھر نہ جا سکتے۔"

حضرت سعدؓ نے ڈانٹ کر جواب دیا کہ اگر تم ہم کو طواف نہ کرنے دو گے تو ہم تمہارا قافلہ ءتجارت مدینہ کے راستے سے گذرنے نہ دیں گے ابو صفوان نے کہا کہ اے سعدؓ ان سے سخت لہجہ میں گفتگو نہ کرو یہ اس وادی کے سردار ہیں حضرت سعدؓ نے کہا اے صفوان اپنی طرفداری رہنے دو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تم عنقریب مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے ابو صفوان نے کہا کیا وہ یہاں آکر مجھے ماریں گے انھوں نے جواب دیا یہ مجھے نہیں معلوم یہ سن کر ابو صفوان کے بدن پر رعشہ پڑ گیا وہ گو کافر تھا لیکن اس کو معلوم تھا کہ دہن رسالتؐ سے آج تک کوئی غلط بات نہیں نکلی چنانچہ اس کے بعد بدر کی لڑائی کا موقع پیش آیا تو اس کی بیوی نے جانے سے روکا اور سعدؓ کی پیشین گوئی یاد دلائی ابو صفوان نے بھی ڈر کر فوج میں شرکت سے انکار کر دیا لیکن ابو جہل اس کو سمجھانے بجھا کر لے گیا، بالآخر اسی کارزار بدر میں یہ پیشین گوئی پوری ہو گئی

بدر کا معرکہ جب پیش آنے والا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو لے کر میدان میں گئے اور بتایا کہ یہ فلاں کافر کی قتل گاہ ہے یہ ابو جہل کا مقتل ہے یہاں قریش کا وہ بڑا سردار

سپاہیوں کا افسر ایک ہزار سے زیادہ سپاہیوں کی غرق آہن باساز وسامان فوج کی شکست اور افسروں کے قتل و موت کا اعلان کر رہا تھا صحابہؓ کہتے ہیں کہ سردار قریش کے لئے آپ نے جو جگہ مقرر فرمادی تھی وہیں اس کی لاش خاک و خون میں لتھڑی پائی گئی۔ (صحیح مسلم غزوہ بدر)

خیبر میں یہودیوں کے متعدد و مستحکم اور مضبوط قلعے تھے ہر روز مسلمان افسر علم و فوج لے کر جاتے تھے اور زور آزمائی کرتے تھے اور شام کو ناکام واپس آتے تھے ایک دن آپؐ نے فرمایا کہ کل علم میں اس کے ہاتھوں میں دوں گا جس کو خدا اور اس کا رسولؐ پیار کرتا ہے اور اسی کے ہاتھ پر کل فتح ہوگی، اسلام کی صف میں ہر حوصلہ مند شمشیر زن نے کل کی توقع پر بے قراری میں رات بسر کی کو کبہ، صبح جب طلوع ہوا تو حضرت علیؓ پر وہ غبار سے نمودار ہوئے۔ حضرت علیؓ پر وہ غبار سے نمودار ہوئے حضرت ممدوح کو آشوبِ چشم تھا۔ اس لئے وہ ساتھ نہ آسکے تھے آپؐ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ میں علم دیا اور خیبر کا میدان اسی دن ان کے ہاتھوں سے سر ہوا۔ (صحیح بخاری فتح خیبر)

● آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں ایک دفعہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو اپنے پاس بلایا اور ان کے کان میں کوئی بات کہی وہ رونے لگیں تھوڑی دیر کے بعد ان سے ایک اور بات کہی تو وہ ہنسنے لگیں حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ مجھ کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا اور ان سے اس کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ کا راز ظاہر نہیں کر سکتی جب آپؐ کی وفات ہوگئی تو عائشہؓ نے دوبارہ ان سے دریافت کیا حضرت فاطمہؓ نے کہا ہاں اب میں بتا سکتی ہوں۔ حضورؐ نے پہلے مجھ سے یہ فرمایا کہ میں اسی بیماری میں انتقال کروں گا اور پھر فرمایا اے فاطمہؓ میرے اہلِ بیت میں سب سے پہلے تم آکر مجھ سے ملوگی (صحیح بخاری فتح خیبر) یہ دونوں باتیں صحیح ہوئیں آپ نے اسی مرض میں وفات پائی اور آپؐ کی وفات کے تقریباً چھ مہینوں کے بعد حضرت فاطمہ زہرا بھی اس دنیا سے چل بسیں۔

● آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سال وفات پائی آپ نے اسی سال اس دنیا سے اپنی تشریف بری کا عام اعلان کر دیا تھا حجتہ الوادع سے پہلے معاذؓ کو داعی اسلام بنا کر یمن بھیجا تھا ان کو رخصت کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا معاذ اب اس کے بعد تم مجھ سے نہ مل سکو گے واپس آؤ گے تو میری مسجد اور میری قبر کے پاس سے گذرو گے یہ سن کر وہ رونے لگے۔ حجتہ الوداع کے خطبہ میں ہزاروں مسلمانوں کے روبرو آپؐ نے فرمایا "شاید کہ آیندہ سال تم مجھے نہ پاسکو گے مرض الموت سے کچھ دن پیشتر فرمایا کہ خدا نے اپنے بندہ کو دنیا اور آخرت کی زندگی کا اختیار دیا تو اس نے

● ایک دفعہ مکہ معظمہ میں کوہ ثبیر یا کوہ احد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے آپؐ کی رفاقت میں حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ بھی تھے کہ دفعتہً پہاڑ کو جنبش ہوئی آپؐ نے فرمایا اے ثبیر! ٹھہر جا کہ تیری پشت پر ایک پیغمبرؐ ایک صدیق اور دو شہید ہیں پیغمبر اور صدیق کو تو سب جانتے تھے لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وہ دو شہید کون تھے (صحیح بخاری مناقب ابی بکرؓ ترمذی مناقب عثمان بروایت حسن وسنن نسائی ودار قطنی)

● حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم سے امت میرے بعد بیوفائی کرے گی۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اے علیؓ خبردار! کہ تم کو میرے بعد مصیبت پیش آئے گی حضرت علیؓ نے استفسار کیا کیا یہ مصیبت میری سلامتی دین کے ساتھ پیش آئے گی؟ فرمایا ہاں تمہاری سلامتی دین کے ساتھ۔ حضرت علیؓ اور بعض صحابہؓ ایک سفر میں ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے آپؐ نے فرمایا میں بتاؤں کہ وہ سب سے بد بخت انسان کون ہیں؟" لوگوں نے عرض کی ہاں " یا رسول اللہ بتایئے فرمایا ایک ثمود کا سرخ رنگ بدبخت جس نے ناقہ ثمود کو قتل کیا، دوسرا وہ جو اے علیؓ! تمہارے یہاں (گردن کی طرف اشارہ کیا) تلوار مارے گا۔ (یہ تینوں روایتیں مستدرک حاکم میں ہیں، .... امام ذہبی نے پہلی روایت کو مطلق صحیح دوسری کو بشرط بخاری و مسلم صحیح اور تیسری کو بشرط مسلم صحیح کہا ہے، جلد ۳ ص ۱۴۰، ۱۴۱، حیدر آباد۔

● آپؐ نے غزوہ خندق میں حضرت عمارؓ کے سر پر دست شفقت پھیر کر فرمایا افسوس تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا (صحیح مسلم کتاب الفتن) یہ پیشنگوئی متعدد صحابہؓ سے منقول ہے حضرتِ عمارؓ حضرت علیؓ کی معیت میں امیر معاویہؓ کے ساتھیوں کے ہاتھ سے جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

ایک دفعہ آپ حضرت امام حسنؓ کو لے کر گھر سے باہر نکلے اور ان کو گود میں لے کر منبر پر چڑھے پھر فرمایا کہ میرے اس فرزند کے ذریعہ سے خدا مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان مصالحت کرادے گا (صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام و صحیح مسلم و ترمذی باب المناقب وحاکم ترجمہ امام حسنؓ جلد ۳)

چنانچہ یہ پیشن گوئی حضرت علیؓ کی شہادت کے چھ مہینے بعد پوری ہوئی اور طرفداران علیؓ

● حضرت امام حسینؓ کی شہادت کی متعدد پیشگوئیاں حاکم بیہقی ابن داہویہ اور ابو نعیم وغیرہ میں مذکور ہیں۔ مگر اصولاً ان روایات کا درجہ بلند نہیں تاہم اتنی بات مجملاً ثابت ہوتی ہے کہ آپ کو اس واقعہ کا علم ضروری عطا کیا گیا تھا اور آپؐ نے اہل بیتؓ کو اس کے متعلق کوئی خاص اطلاع دی تھی اس باب میں بہترین حدیث حاکم کی یہ روایت ہے جس کو اس نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تھی کہ میں نے یحیٰ (پیغمبر) کا بدلہ ستر ہزار سے لیا تھا، اور میں تمہارے نواسے کا بدلہ ستر اور ستر ہزار سے لوں گا" حافظ ذہبی نے اس روایت کو اعلیٰ شرط المسلم تسلیم کیا ہے (مستدرک جلد ۳ ص ۱۷۸) لیکن یہ روایت خود اس کا اشارہ کرتی ہے کہ اس سے پہلے حضرت حسینؓ کی شہادت کی اطلاع دی جا چکی تھی یہ اطلاع اتنی حرف بہ حرف صحیح ہوئی کہ امام موصوف کی شہادت کے بعد مختار کے ہاتھوں قاتلین حسینؓ سے اسی قدر انتقام لیا گیا۔ یعنے ایک سو چالیس قاتلانِ حسینؓ (یزیدیوں کو قتل کر دیا گیا)

● ابو داؤد (کتاب الملاحم) اور بیہقی میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا "قریب ہے کہ قومیں تم پر حملہ کرنے کے لئے ایک دوسرے کو اس طرح پکاریں گی (یعنی تم پر متحدہ حملہ کریں گے) جس طرح کھانے والے کھانے کے پیالے پر گرتے ہیں۔" حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ یارسول اللہ! کیا یہ اس لئے کہ اس زمانے میں ہم مسلمانوں کی تعداد کم ہوجائے گی" فرمایا نہیں، تمہاری تعداد ان دنوں بہت بڑی ہوگی۔ لیکن تم ایسے ہوجاؤ گے جیسے سیلاب کی سطح پر کف اور خس و خاشاک ہوتا ہے (کہ سیلاب ان کو بہائے لئے جاتا ہے) اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب دور کر دے گا۔ اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا۔ (جیسا کہ آج کل کے حالات ہیں۔)

● آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہراتؓ کو اطلاع دی تھی کہ تم میں سب سے پہلے مجھ سے آکر وہ ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا ازواج مطہرات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک سے جو محبت تھی اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس پیشگوئی کے مطابق وہ اپنے اپنے ہاتھ ناپا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ہم میں سے جب سب سے پہلے حضرت زینبؓ نے وفات پائی تو ہم سمجھے کہ ہاتھ کی لمبائی سے حضورؐ کا کیا مقصد تھا (ہاتھ کا لمبا ہونا عربی میں کشادہ دستی اور فیاضی سے کنایہ ہے) زینبؓ تم سب میں سب سے زیادہ کشادہ دست تھیں۔ (صحیح مسلم فضائل حضرت زینبؓ)

تعریفِ غیب

غیب ۔ غیب، پوشیدگی دراصل یہ باب ضرب ، سے مصدر ہے اور مجازاً اسم فاعل یعنی غائب کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہے۔ "**یومنون با الغیب**" (غیب پر یقین رکھتے ہیں) الغیب سے کیا مراد ہے ؟

امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ یہاں اس سے مراد وہ امور ہیں جو انسان کی حواس کی دسترس سے بالاتر اور عقل کی گرفت سے خارج ہیں اور جن کا علم ہمیں صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے ارشادات و اخبارات کی وجہ سے ہی ہوا ہے (مفردات)

جیسے مرنے کے بعد عذاب و ثواب جنت و دوزخ اور جزاء و سزائے اخروی کی کیفیت اور عالم آخرت کے واردات ۔ اس صورت میں غیب بمعنیٰ غائب ہے اور اس پر الف لام عہدی ہے۔

بعض علماء نے یومنون باالغیب کے معنے یہ کئے ہیں کہ وہ نظروں سے غائب ہونے کی حالت میں بھی مومن ہوتے ہیں یعنی منافقین کی طرح نہیں جن کے متعلق **و اذا القوالذین آمنو اقالو امنا و اذا خلوا لی شیطینهم قال انا معکم** جب یہ منافقین مومنین سے ملتے ہیں تو انھیں اپنے مومن ہونے کا اطمینان دلاتے ہیں ، مگر جب اپنے شیطان صفت پیشواؤں کے پاس جاتے ہیں اور مسلمانوں کی نظروں سے غائب ہوجاتے ہیں تو فوراً ایمان کا لبادہ اتار پھینکتے ہیں ، وارد ہوا ہے اس صورت میں غیب مصدری معنے میں ہے اور باء ظرفیہ ہے (مفردات)

○

" **غیب** ، وہ چھپی ہوئی چیز ہے جس کو انسان نہ تو آنکھ کان وغیرہ حواس سے محسوس کرسکے اور نہ بلا دلیل بداہتہً عقل میں آسکے ۔ لہذا پنجاب والے کے لئے بمبئی غیب نہیں کیوں کہ وہ یا تو آنکھ سے دیکھ آیا ہے یا سن کر کہہ رہا کہ بمبئی ایک شہر ہے ، یہ حواس سے علم ہوا اسی طرح کھانوں کی لذتیں ان کی خوشبو وغیرہ غیب نہیں کیوں کہ یہ چیزیں اگر چہ آنکھ سے چھپی ہیں مگر دوسرے حواس سے معلوم ہیں ۔ جن اور ملائکہ اور جنت و دوزخ ہمارے لئے اس وقت غیب ہیں کیوں کہ نہ ان کو حواس سے معلوم کرسکتے ہیں اور نہ بلا دلائل عقل سے ۔

" **غیب** دو طرح کا ہے ایک وہ جس پر کوئی دلیل قائم ہوسکے یعنی دلائل سے معلوم ہوسکے دوسرا وہ جس کو دلیل سے بھی معلوم نہ کرسکیں، پہلے غیب کی مثال جیسے جنت و دوزخ اور خدائے پاک کی ذات و صفات کو عالم کی چیزیں اور قرآن کی آیت دیکھ کر ان کا پتہ چلتا ہے ... دوسرے غیب کی مثال جیسے قیامت کا علم کہ کب ہوگی، انسان کب مریگا اور عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی بد بخت ہے یا نیک بخت کہ ان کو دلائل سے بھی معلوم نہیں کرسکتے اسی طرح غیب کو مفاتح الغیب کہا جاتا ہے اور اس کو پروردگار عالم نے فرمایا۔ **فلا یُظھِرُ علی غیبه اَحَدا الا من ارتضی من رَسُول** تفسیر بیضاوی یومنون بالغیب کے ماتحت ہے۔ **والمراد به الخفی الذی لا یدرکه الحسن ولا تقتضیه بداهة العقل** غیب سے مراد وہ چھپی ہوئی چیز ہے جس کو حواس نہ پاسکیں اور بداہتہً اس کو عقل چاہیے۔

تفسیر کبیر سورہ بقر کے شروع میں اسی آیت کے ماتحت ہے **قول جمهور المفسرین ان الغیب هو الذی یکون غائبا عن الحاسته ثم هذا ینقسه والی ما علیه دلیل والا مالا دلیل علیه** عام مفسرین کا قول ہے کہ غیب وہ ہے جو حواس سے چھپا ہوا ہو پھر غیب کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تو وہ جس پر دلیل ہے دوسرے وہ جس پر کوئی دلیل نہیں۔ تفسیر روح البیان میں شروع سورۂ بقر یومنون بالغیب کے ماتحت ہے۔

وهوا غاب عن الحس والعقل غیبة کاملة بحیث لا یدرک بو احد منها ابتداء بطریق البداهة وهوا قسمان قسم لا دلیل علیه وهوا الذی ارید بقوله عنده مفاتح الغیب و قسم نصب علیه دلیل کا الصانع و صفاته وهوا المراد۔

غیب وہ ہے جو حواس اور عقل سے پورا پورا چھپا ہوا اس طرح کہ کسی ذریعہ سے سے بھی ابتداً کھلم کھلا معلوم نہ ہوسکے۔ غیب کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ قسم جس پر کوئی دلیل نہو، وہی قسم اس آیت سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں دوسری قسم وہ جس پر دلیل قائم ہو جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات وہی اس جگہ مراد ہے۔

فائدہ:۔ رنگ آنکھ سے دیکھا جاتا ہے اور بو ناک سے سونگھی جاتی ہے اور لذّت زبان سے آواز کان سے محسوس ہوتی ہے، تو رنگت زبان و کان کے لئے غیب ہے اور بو، آنکھ کے لئے

غیب۔ اگر کوئی اللہ کا بندہ ہو اور لذّت کو ان شکلوں میں آنکھ سے دیکھ لے وہ بھی علم غیب اضافی ہے جیسے اعمال، قیامت میں مختلف شکلوں میں نظر آئیں گے۔ اگر کوئی ان شکلوں میں یہاں دیکھ لے تو یہ بھی علم غیب ہے۔" ۔۔۔۔۔

"اسی طرح جو چیز فی الحال موجود نہ ہونے یا بہت دور ہونے یا اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے نظر نہ آسکے وہ بھی غیب ہے اور اس کا جاننا علمِ غیب جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ پیدا ہونے والی چیزوں کو ملاحظہ فرمایا حضرت عمر رضی اللہ نے نہاوند میں حضرت ساریہؓ کو مدینہ پاک سے دیکھ لیا اور ان تک اپنی آواز پہونچادی، اسی طرح کوئی پنجاب میں بیٹھ کر مکہ معظمہ یا دیگر دور دراز ملکوں کو مثلِ کفِ دست کے دیکھے، یہ سب غیب ہی میں داخل ہیں۔

بذریعہ آلات کے جو چھپی ہوئی چیز معلوم کی جاوے وہ علم غیب نہیں مثلاً کسی آلہ کے ذریعہ سے عورت کے پیٹ کا بچہ معلوم کرتے ہیں یا کہ ٹیلی فون ریڈیو سے دور کی آواز سن لیتے ہیں اس کو علمِ غیب نہ کہیں گے کیوں کہ غیب کی تعریف میں عرض کردیا گیا کہ جو حواس سے معلوم نہ ہو سکے۔ اور ٹیلی فون یا ریڈیو میں سے جو آواز نکلی وہ آواز حواس سے معلوم ہونے کے قابل ہے۔ آلہ سے جو پیٹ کے بچہ کا حال معلوم ہوا یہ بھی غیب کا علم نہ ہوا جب کہ آلہ نے اس کو ظاہر کردیا تو اب غیب کہاں رہا۔

خلاصہ یہ کہ اگر کوئی چھپی ہوئی چیز کو ظاہر کردے پھر ظاہر ہو چکنے کے بعد ہم اس کو معلوم کرلیں تو یہ علم غیب نہیں۔"

"بحوالہ کتاب جاء الحق"

★ ★ ★ ★ ★ ★ ★

علم انسانی کے ماخذ اور علم غیب[1]

علم انسانی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو بلا واسطہ ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو کسی واسطہ سے حاصل ہوتا ہے، بے واسطہ علم کی بھی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ **وجدان** :۔ انسان کو اپنے جسمانی وجود اور اس جسمانی وجود کے اندرونی کیفیات کا علم سب سے زیادہ یقینی طور سے ہوتا ہے ہر شخص کو اپنے وجود کا یقین ہے۔ اور اس کے اندر بھوک پیاس، بیماری، صحت، غم، خوشی، خوف وغیرہ اندرونی تغیرات کا علم اس کو بلا واسطہ از خود ہوجاتا ہے۔

۲۔ **فطرت** :۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ ہر نوعِ مخلوق کو اللہ تعالیٰ سے کچھ ایسی نوعی خصوصیتیں عطا ہوتی ہیں جو دوسری نوعوں میں نہیں پائی جاتیں اور ان ہی سے باہم نوعوں کا اختلاف اور امتیاز ظاہر ہوتا ہے۔ ان نوعی خصوصیتوں کا علم ہر نوع کے افراد کو بلا کسی ذریہ اور واسطہ کے از خود ہوتا ہے۔ اور اسی کو بعض علماء کی اصطلاح میں فطری یا نوعی الہام اور اہلِ فلسفہ کی اصطلاح میں " جبلّت " کہتے ہیں۔ حیوانات کو اپنے متعلق بہت سی باتوں کا علم از خود فطرةً ہوتا ہے۔ پرندوں کے بچوں کو دانہ چگنا اور اڑنا کون سکھاتا ہے۔ آبی جانوروں کو تیرنے کی تعلیم کون دیتا ہے، شیر کے بچےؔ کو درندگی کا سبق کس معلّم نے پڑھایا، انسان کے بچہ کو پیدا ہوتے ہیں رونا، سونا، دودھ پینا کون سکھا دیتا ہے۔

۳۔ **بداہت اوّلیہ** :۔ انسان کو کچھ ہوش و تمیز آنے کے بعد بلا دلیل بعض ایسی باتیں از خود یا بادنیٰ تامل اس طرح معلوم ہوجاتیں ہیں کہ ان میں پھر کسی قسم کا شک و شبہہ راہ نہیں پاتا دو (۲) اور دو (۲) چار ہوتے ہیں، برابر کا برابر، برابر ہوتا ہے ایک ہی وقت میں ایک ہی چیز سیاہ سپید دونوں نہیں ہوسکتیں، ہر بنی ہوئی چیز کا کوئی بنانے والا ہوتا ہے وغیرہ بہت سے ایسے ضروری مقدمات اور کلیات جن پر انسان کے استدلال کا تمام تر مدار ہے اس کو بداہتہً معلوم ہوجاتے ہیں۔

یہ تو بلا واسطہ علم کی تین قسمیں تھیں اس کے بعد علم انسانی کی وہ قسمیں ہیں جن کا علم اس کو کسی واسطہ سے ہوتا ہے۔ انسان کے پاس اس قسم کے دو (۲) واسطے ہیں۔ ایک احساس اور دوسرا عقل پہلے سے وہ گردو پیش کی مادی چیزوں کا اور دوسرے سے ان مادی چیزوں کا جو سامنے

---

[1] مندرجہ عنوان کے ذیل میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی مشہور تالیف سیرۃ النبی جلد چہارم کے بعض اقتباسات

موجود نہیں یا سرے سے خارج میں موجود نہیں بلکہ عالم غیب میں ہیں، یا صرف ذہن میں ہیں علم حاصل کرتا ہے۔

۴۔ **انسان** کے جسم کے اندر پانچ قسم کی جسمانی قوتیں ہیں، باصرہ (۱) دوسرا سامعہ (۲) تیسرا (۳) شامہ چوتھا (۴) ذایقہ (۵) پانچواں لامسہ، باصرہ دیکھتی سامعہ سُنتی، شامہ سونگھتی، ذایقہ چکھتی اور لامسہ چھوتی ہے ان ہی کا نام حواس خمسہ ہے، انسان کے پاس یہی پانچ آلات ہیں جن کے ذریعہ سے وہ ان مادی چیزوں کے متعلق علم حاصل کرتا ہے جو ان کے ان آلات سے آکے ٹکراتی ہیں اسی کا نام احساس ہے ہم چکھ کر مزہ پاتے سن کر آواز پہچانتے دیکھکر کر صورت جانتے، چھوکر سختی و نرمی دریافت کرتے، اور سونگھ کر بو معلوم کرتے ہیں، ان حواس کے ذریعہ سے بھی جو علم ہم کو ہوتا ہے، وہ اکثر یقینی اور شاذونادر غلط بھی ہوتا ہے، کیوں کہ وہ کبھی کبھی کسی سبب سے دھوکہ بھی کھاتے ہیں اور دریافت میں غلطی بھی کرتے ہیں، اور دلائل سے ان کا یہ دھوکا اور ان کی غلطی ثابت ہوتی ہے بیماری میں قوتِ ذایقہ بدل گئی ہے اور اس نے میٹھے کو کڑوا بتایا ہے تیز حرکت میں قوتِ باصرہ نے ہم کو دھوکا دیا ہے، ریل میں ہم کو ساکن اور ٹھہری ہوئی چیز چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے چلتے ہوئے جہاز میں جہاز ہم کو ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے، متحرک چنگاری کا نقطہ تیز سیدھی حرکت میں ہم کو آتشیں خط اور گول حرکت میں آتشیں دائرہ معلوم ہوتا ہے آسمان کے چمکتے ہوئے بڑے بڑے ستارے کتنے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں لیکن کیا در حقیقت وہ ایسے ہی چھوٹے ہیں۔

۵۔ علم بالواسطہ کی دوسری قسم وہ ہے جس کو ہم اپنی عقل و قیاس غور و فکر اور استدلال کے ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں اس کی بنیاد در حقیقت ان ہی معلومات پر ہوتی ہے جن کا علم ہم کو اپنے وجدان الہام فطری (یا جبلّت) بداہت اوّلیہ اور احساس سے پہلے ہوچکا ہے اور ان ہی معلوم شدہ امور پر غیر معلوم امور کو تمثیل یا استقراء کے ذریعہ سے قیاس کرکے اان معلوم شدہ امور کے خصوصیات اور آثار کا حکم ان غیر معلوم لیکن مشابہ و مماثل امور پر لگاکر نیا نتیجہ حاصل کرتے ہیں وہ غیر معلوم امر جس پر معلوم امور کے ذریعہ ہم کوئی حکم لگاتے ہیں۔ اگر مادی ہوتا ہے تو نتیجہ چنداں غیر مشکوک نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ جزئیات کا استقراء پورا نہ کیا گیا ہو، یا تمثیل تام نہ ہو یا تجربہ و مشاہدہ نے دھوکا دیا ہو یا کوئی اور اصولی غلطی ہوگئی ہو، طبعیات اور سائینس کے مسائل اکثر اسی طرح معلوم کیے گئے ہیں لیکن اگر وہ امر مجہول غیر مادی ہے۔ تو مادی امور پر اس غیر مادی کو قیاس کرکے اس کی نسبت جو کچھ کہا جائے گا اس کا مرتبہ ظن و تخمین سے آگے نہیں بڑھتا، مگر یہ کہ وہ تمام تر فطریات و بدیہیات و محسوسات پر علانیہ منتہیٰ ہو، مابعد الطبیعہ اور فلسفۂ الٰہیات کے مسائل اسی

طریقہ استدلال سے حاصل ہوتے ہیں اور اسی لئے ان میں اختلافات کی بڑی گنجایش نکلتی ہے کہ ان کے آخری نتیجہ اور ابتدائی بنیادی وجدانی یا بدیہی یا حسی مقدمات کے درمیان قیاسات کی کئی منزلیں ہیں اور ان میں سے ہر منزل خطروں سے لبریز ہے، مشابہت و مماثلت میں دھوکا ہوسکتا ہے عقلی اور وجدانی اور حسی اشیاء کے خواص کے درمیان اختلافات اور فرق ہوسکتا ہے غور و فکر بحث و نظر تحقیق و جستجو اور ترتیب مقدمات جو اس قیاس عقلی کے کارکن اور فاعل ہیں، وہ اپنے کام میں دھوکا کھاسکتے ہیں، اسی لئے یہ علوم شکوک و شبہات سے لبریز ہیں۔

ذرایع علم کے حصول کے زمانے اور ان کے مراتب:۔ سطور بالا سے ہویدا ہے کہ ہمارے سب سے زیادہ یقینی علوم ہمارے وجدانیات اور فطریات ہیں جو ہم کو قدرت کی طرف سے سب سے پہلے عنایت ہوتے ہیں کہ ہمارے وجود کی بقاء اس علم پر موقوف ہے، جیسے بھوک اور پیاس کا احساس اور اس علم کا یقینی ہونا بھی ضروری ہے ورنہ ہم اپنا وجود قائم نہ رکھ سکیں گے۔ ہم کو جو بھوک یا پیاس لگتی ہے کیا اس کے یقینی اور قطعی علم میں ہم سے غلطی ہوسکتی ہے، اور کیا کسی کے شک دلانے سے کہ ممکن ہے کہ تم کو بھوک نہ ہو ممکن ہے کہ تم کو پیاس نہ ہو کبھی بھوکے یا پیاسے کو اپنی بھوک اور پیاس کے متعلق شک ہوسکتا ہے اور یہ احساس اور علم وجود کے ساتھ ساتھ انسان کو ملتا ہے، یہاں تک کہ آج کا پیدا شدہ بچہ بھی اس کا احساس کرتا اور علم رکھتا ہے ورنہ وہ اپنے وجود کو قائم نہ رکھ سکے۔

وجدانیات و فطریات کے بعد محسوسات کا علم انسان کو ملتا ہے، دیکھنا، سننا، چکھنا، سونگھنا، چھونا یہ ہمارے پانچ حواس ہیں جو ہمارے مادی علم کے آلات ہیں اور جن کے بغیر کوئی باہر کا علم ہمارے اندر نہیں آسکتا، یہ احساسات بھی ایک ہی دفعہ نہیں کمال پاجاتے ہیں، بلکہ ضرورت کے مطابق حسب استعداد ملتے اور ترقی پاتے ہیں، اور پیدائش کے چند ماہ بعد تکمیل کو پہونچتے ہیں۔ کیوں کہ وجود کی بقاء اور ضروریات کی تکمیل ابھی سے ان پر رفتہ رفتہ موقوف ہوتی جاتی ہے۔

محسوسات کے بعد بدیہیات اوّلیہ کا درجہ آتا ہے، انسان کو اپنے اس علم میں بھی وہی اذعان و قطعیت ہوتی ہے، دو (۲) دو (۲) چار ہوتے ہیں، دس پانچ کا دونا ہے، ایک چیز ایک ہی وقت میں دو جگہ نہیں ہوسکتی، ایک چیز ایک ہی وقت میں سیاہ و سپید نہیں ہوسکتی، ان بدیہی علوم کو ہر شخص مانتا اور تسلیم کرتا ہے، مگر اس کا علم انسان کو بچپن میں نہیں ہوتا بلکہ تمیز و رشد کے

بعد ہوتا ہے، کیوں کہ اسی وقت اس کی ضرورت پیش آتی ہے، اگر یہ علوم اس سن میں عطا نہ ہوں تو وہ دنیا کے ضروری کاروبار چلانے کی لائق نہ ہو اور نہ دوسرے علوم کی دریافت کی اس میں استعداد پیدا ہو، فطری احمق اور بیوقوف ان ہی کو کہتے ہیں جن میں ان بدیہیات کا علم کم یا بالکل نہیں ہوتا۔

سب سے اخیر میں اس علم کا درجہ آتا ہے جو وجدانیات، فطریات، بدیہیات اور محسوسات پر قیاس کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اور جس کو علم معقولات کہتے ہیں۔ اسی علم اور اسی کی قوت کی کمی بیشی کا نتیجہ ہے کہ انسانی عقلیں درجہ اور مرتبہ میں متفاوت ہوتی ہیں ایک طرف تو (کمی کی سمت میں) وہ حماقت تک پہنچ جاتی ہیں اور دوسری طرف (سمت کمال میں) عاقل عاقلتر اور عاقل ترین طبقہ تک اونچی ہوجاتی ہیں، یہاں تک کہ وہ درجہ بھی آتا ہے کہ کسی کی عقل اس مرتبہ تک جا پہونچتی ہے جہاں کوئی اس کا دوسرا کفو و ہمسر نہیں ہوتا، ایک جاہل حبشی سے لے کر ارسطو اور بوعلی سینا تک سب ان ہی عقلی مدراج کے مختلف انسانی نظائر ہیں، بایں ہمہ یہ ظاہر ہے کہ اس علم کا طریقہ نہایت پر خطر اور منزلِ مقصود ہمیشہ مشکوک رہتی ہے۔

عام طور سے انسانی علم کے یہ پانچ ذریعے اور طریقے سمجھتے جاتے ہیں لیکن درحقیقت یک اور ذریعہ بھی ہے جس کا تعلق تمام تر ماورائے مادہ سے ہے غور کیجیے کہ آپ کا سب سے پہلا علم یعنی وجدانیات آپ کے اندرونی حواس کا نتیجہ ہے، دوسرا یعنے فطریات کا علم خالقِ فطرت خود پ کے اندر ودیعت رکھتا ہے، تیسرا علم یعنے محسوسات کا علم آپ کے ان ظاہری حواس کا نتیجہ ہے جو گویا باہر ہیں مگر آپ کے جسم کے اندر ہیں۔ آپ کا چوتھا ذریعہ، علم یعنے بدیہیات اوّلیہ پ کے حواس اور ذہن کا ایک مشترکہ فیصلہ ہیں، پانچواں ذریعہ علم جو آپ کی عقل و ذہن کی یاس آرائی ہے وہ آپ ہی کے اندر کے دماغی قویٰ کا عمل ہے، تھوڑے تامل سے معلوم ہوگا کہ پ کا علم، وجدان سے لیکر ذہن تک بتدریج مادیت سے ترقی کرکے ماورائے مادہ کے قریب تک ہونچتا ہے، وجدان تمام تر ہماری اندرونی جسمانی مادیت ہے جس میں کوئی شک نہیں، حسوسات بھی ہمارے ہی جسم کے مادی آلاتِ علم کے نتائج ہیں۔ بدیہیات ہمارے حواس سے و مادی ہیں، اور ہمارے ذہن سے جو غیر مادی ہے، مشترک تعلق رکھتے ہیں یعنی بدیہیات مادی ور غیر مادی ذرائع علم کے بین بین ہیں، اور معقولات تمام تر ذہنی اور غیر مادی ہیں تاہم اس غیر ادی قوت کا مرکز ہمارا مادی جسم ہی ہے اور اس حد تک اس غیر مادی قوت کا مادہ سے تعلق ہرحال ہوتا ہے۔

غیر مادی علم :- اب اس کے بعد اس علم کا درجہ آتا ہے جس کی سرحد اس کے بعد آتی ہے، اور جس کا تعلق مادّہ سے اتنا بھی نہیں ہوتا، جتنا معقولات اور ذہنیات کا ہے وہ تمام تر مادہ اور مادیات سے پاک ہوتا ہے اس کو مادہ سے اسی قدر لگاؤ ہوتا ہے کہ وہ علم مادی دل و دماغ کے آئینہ پر اوپر سے آکر اپنا عکس ڈالتا ہے۔

اس غیر مادی علم کے بھی بہ ترتیب مختلف درجے ہیں جن کو فراست، حدس، کشف، الہام اور وحی کہتے ہیں۔ اور جس طرح انسانی علم کے مذکورہ بالا پانچوں ذریعے انسان کے جسم قویٰ سے متعلق تھے۔ اسی طرح یہ غیر مادی ذریع انسان کے روحانی قویٰ سے وابستگی رکھتے ہیں۔ اور جس طرح آپ نے دیکھا ہے کہ وجدانیات سے لے کر عقلیات تک بہ ترتیب ہمارا ذریعہ علم خالص مادی، کامل مادی اور برائے نام مادی تک ترقی کرتا چلا گیا ہے۔ اسی طرح فراست، حدس، کشف، الہام اور وحی بھی برائے نام مادی و روحانی سے لے کر پھر روحانی، کامل روحانی اور خالص روحانی کے ذریعہ تک ترقی کرتے چلے گئے ہیں۔

فراست کے لفظی معنے "تاڑ جانے" کے ہیں تاڑ لینے کی قوت ہر شخص میں نمایاں نہیں ہوتی، مگر جس میں نمایاں ہوتی ہے۔ اس کی یہ کیفیت ایک ملکہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے جو تجربہ کی کثرت اور عمل مہارت اور کمال کے بعد انسان کو حاصل ہوجاتا ہے، اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کے دیکھنے، سننے چکھنے، سونگھنے یا چھونے کے ساتھ ہی صرف بعض علامتوں کے جان لینے سے دوسری متعدد ضروری علامتوں پر تفصیلی نظر ڈالے بغیر اتنی جلدی انسان صحیح نتیجہ تک پہونچ جاتا ہے کہ دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ غیب کی بات بیان کررہا ہے حالانکہ اس کا علم تمام تر ظاہری علامتوں اور نشانوں پر مبنی ہوتا ہے جن کو ہر شخص دیکھ سکتا تھا، مگر دیکھتا نہ تھا، ایسے ماہر فن اور ذی فراست اشخاص برابر ہر شخص کے مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں، جس کو جس چیز یا فن میں یہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے، اس کی فراست اس کو حاصل ہوجاتی ہے، جرائم کے پتہ لگانے والے ماہرین اور جاسوس اپنے فن کی فراست میں یہ کمال رکھتے ہیں، کہ صورت دیکھی اور تاڑ گئے اسی طرح ہر علم و فن کے ماہروں کو اپنے اپنے فن کے اندر یہ ملکہ حاصل ہوجاتا ہے۔ اخیار اور نیکوکاروں کو اپنی جماعت کے افراد کے پہچان لینے اور جان لینے کی طاقت بھی اسی طرح حاصل ہوتی ہے، اور اسی کو ایک حدیث میں ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے:

اِتقوا فراسته المومن فانه ینظر بنور الله ه

مومن کے تاڑ لینے سے ڈرو کہ وہ خدا کی روشنی سے دیکھتا ہے۔ (ترمذی)

۲ ۔ فراست کے بعد حدس کا درجہ ہے ، فراست کے ابتدائی مقدمات حواس پر مبنی ہوتے ہیں لیکن حدس کے ابتدائی مقدمات ذہنی اور عقلی ہوتے ہیں اور ان ہی ذہنی عقلی ہوتے ہیں اور ان ہی ذہنی اور عقلی مقدمات کے غور و فکر ، تلاش اور ترتیب سے نتیجہ حاصل ہوتا ہے ، مگر فطری کمال یا فن کی حاصل کردہ مہارت کے سبب سے غور ونظر ، فکر و تلاش اور تربیت مقدمات کے منطقیانہ مرحلوں کو ذہن رسا اس تیزی اور سرعت کے ساتھ طے کرکے آخری نتیجہ تک پہونچ جاتا ہے کہ خود اس کو بھی اس کا احساس نہیں ہوتا کہ اس نتیجہ کے حاصل کرنے میں اس نے کوئی دماغی عمل بھی کیا ہے ، یہ چیز بھی اکثر کامل العقل اور صائب الرائے انسانوں کو فطرۃً عطا ہوتی ہے اور دنیا کے مشہور عقلاء اور دانایانِ روزگار کے واقعات میں اس کی کثرت سے مثالیں ملتی ہیں ۔

۳ ۔ کشف کے لفظی معنی تو کھولنے پر پردہ اٹھانے کے ہیں مگر اس سے مقصود یہ ہے کہ مادیت کے ظلماتی پردہ کو چاک کرکے مادی چیز روحانی عالم میں مشاہدہ کے سامنے آجاتی ہے ، وہ کبھی اصلی صورت میں اور کبھی اپنی مثالی اس کی بہترین مثال صورت میں نظر آتی ہے عام لوگوں کے سمجھنے کے لئے خواب کی ہے فرق اتنا ہے کہ خواب عالم خواب کی بات ہے اور کشف عالم بیداری کی جس طرح عام لوگوں کو خواب میں جب ظاہری حواس بیکار ہوجاتے ہیں ایسی چیزیں معلوم ہوتی ہیں جو کبھی کبھی عین واقعہ ثابت ہوتی ہیں اسی طرح خاص لوگوں پر بیداری ہی میں ظاہری حواس کے تعطل سے ایسا سماں پیش آتا ہے ، ہر شخص کے تجربہ میں ایسے متعدد حیرت انگیز واقعات گذرتے رہتے ہیں ۔

۴ ۔ الہام کے لفظی معنی " دل میں ڈالنے " کے ہیں اور اس سے مراد وہ علم ہے جو محنت ، تلاش ، تحقیق ، غور اور ترتیب مقدمات کے بغیر دل میں آجاتا ہے اور ممکن ہے کہ اس کی صحت بعد کو حسی تجربوں اور عقلی دلیلوں سے بھی ثابت ہوجائے ، مگر خود وہ علم پہلے پہل ذہن میں کسی حسی تجربہ یا عقلی دلیل کے نتیجہ کے طور نہیں آتا بلکہ خود بخود دل میں آجاتا ہے ، کیوں آتا ہے اور کہاں سے آتا ہے ؟ اس کے جوابات مختلف ہوسکتے ہیں مگر یہ واقعہ ہے کہ وہ آتا ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا ، اس کی ابتدائی اور معمولی مثالیں وہ خیالات ہیں جو محققین ، علماء شعراء اور موجدین کے ذہن میں پردہ ، عدم سے پہلے پہل آتے ہیں ، اور وہ ان کو دنیا کے سامنے اپنی ایجادات کی صورت میں پیش کرتے ہیں ۔

۵ ۔ وحی کے لغوی معنی کسی کا اپنے دلی منشاء کو لبوں کو جنبش دیئے بغیر اخفا اور آہستگی کے ساتھ دوسروں پر ظاہر کر دینا ہیں اور اصطلاحاً اس کے معنی خدا کا اپنے دلی منشاء سے اپنے خاص بندوں کو کسی غیبی ذریعہ سے مطلع کرنا ہیں، یہ علم و اطلاع کے روحانی ذریعوں کی آخری سرحد ہے۔

جس طرح علم کی تین جسمانی قسمیں یعنی وجدانیات، حسیات اور بدیہیات عام انسانوں کے لئے یقینی ہیں، اس طرح روحانی ذرائع علم کے یہ تین ذریعے کشف، الہام اور وحی، انبیاء علیہم السلام کے لئے یقینی ہیں اور جس طرح علم کے مادی ذریعوں میں سے یقین کا سب سے پہلے ذریعہ وہ ہے جو تمام تر مادی ہے یعنی وجدان پھر حس ظاہر اور پھر بدیہیات، اسی طرح علم کے روحانی واسطوں میں سب سے زیادہ یقینی وہ ہے جو تمام تر روحانی ہے۔ یعنی وحی پھر الہام پھر کشف۔

ہم نے علم کے روحانی ذرائع کی جو تین قسمیں کی ہیں یعنی وحی، الہام، اور کشف، یہ قرآن پاک کی اصطلاحیں نہیں ہیں اس کی اصطلاح میں روحانی ذریعہ علم کا نام مکالمہ الٰہی (خدا سے بات کرنا) اور اس کی حسب ذیل تین قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) وحی (اشارہ) سے بات کرنا، یعنی دل میں کسی معنی کا بغیر آواز اور الفاظ کے آجانا، یہ اگر حالت بیداری میں ہے تو کشف ہے اور اگر خواب میں ہے تو رویا ہے۔

(۲) خدا کا پردہ کے پیچھے سے بات کرنا یعنی متکلم نظر نہیں آتا، مگر غیب سے آواز آتی ہے اور الفاظ سنائی دیتے ہیں، اس کو الہام کہہ لو۔

(۳) فرشتہ کے ذریعہ سے بات کرنا یعنی فرشتہ خدا کا پیغام لے کر سامنے نظر آتا ہے اور اس کے منھ سے الفاظ ادا ہوتے ہیں، جن کو نبی سن کر محفوظ کر لیتا ہے، اسی کو عام طور سے وحی کہتے ہیں، کیونکہ قرآن پاک کا نزول اسی آخری طریقہ سے ہوا ہے، لیکن اس شہرت عام کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دو اور دوسرے طریقے وحی کی قسمیں نہیں ہیں، وحی کی ان اقسام کا ذکر سورہ شوریٰ میں ہے۔

وما کان بشر ان یکلمه الله الا وحیا اومن وراء حجاب اویرسل رسولا فیوحی باذنه مایشاء انه علی حکیم ۔ (شوریٰ ۔ ۵)

ترجمہ:۔ اور کسی آدمی کی یہ تاب نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے، لیکن وحی (اشارہ) سے یا پردہ کے پیچھے سے یا کسی قاصد کو بھیجے، تو وہ خدا کے حکم سے خدا جو چاہے اس کو وہ وحی کر دیتا ہے بے شک اللہ بلند اور حکمت والا ہے۔

مکالمہ الہیٰ کے یہ تینوں طریقے یعنی وحی (اشارہ) سے بات کرنا، پردہ کے پیچھے سے بات کرنا، اور فرشتہ کے ذریعہ سے بات کرنا وحی کی یہ تین مختلف قسمیں بھی ہیں اور پھر ان تینوں کا اجمالاً مشترک نام بھی وحی ہے یعنی یہ منقسم بھی ہے اور اپنی تین قسموں میں سے بھی ایک پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، اسی آیت میں دیکھو کہ فرشتہ کے ذریعہ کلام کو بھی وحی فرمایا گیا اور تینوں مذکورہ بالا طریقوں میں جس طریقے سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبی تعلیم و اطلاع دی گئی ہے۔ اس کو بھی وحی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے یعنی وہ عام مکالمہ الہیٰ کے مرادف بھی مستعمل ہوا ہے۔

ما ینطق عن الھوی ۔ ان ھو الا وحی یوحی۔

ترجمہ: نبی خواہش نفس سے کلام نہیں کرتا، بلکہ وہ وحی ہوتی ہے جو اس کو کی جاتی ہے۔ (نجم)

الغرض اسی امتیاز کے لئے علمی اصطلاحات میں ان تینوں طریقوں کے لئے کشف، الہام اور وحی کے تین علحدہ علحدہ الفاظ وضع کردیئے گئے ہیں تاکہ بول چال میں ہر روحانی طریقہ گفتگو دوسرے سے ممتاز ہوجائے بیداری میں اشارہ سے بات کرنا کشف ہے، اور خواب کے عالم میں رویا ہے پردہ کے پیچھے سے آواز کا آنا، الہام ہے اور فرشتہ کی درمیانگی سے بات کرنا وحی ہے۔

نکتہ، اوپر کی آیت میں جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ کی یہ تاب نہیں کہ خدا اس سے بات کرے، لیکن ان تین طریقوں سے اس کے آخر میں فرمایا ہے کہ وہ سب سے بلند اور حکیم ہے، یعنی اس کی بلندی و برتری کا اقتضا تو یہ ہے کہ وہ کسی کو اپنے مکالمہ کے شرف کا مستحق نہ سمجھے، مگر اس کی حکمت کا اقتضا یہ ہے کہ وہ اپنے بندگانِ خاص سے عام بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ان تین غیر معمولی طریقوں میں سے کسی طریقہ سے گفتگو فرمالے۔

بہرحال غیبی ذریعہ اطلاع کی یہ سب سے بلند قسم جس کو اصطلاح میں وحی کہتے ہیں، اس کا تجربہ عام لوگوں کو نہیں، لیکن اس سے نیچے درجہ کے غیبی ذرائع اطلاع کا تجربہ ہر شخص کو تھوڑا بہت ہے، اور ہر انسان کی زندگی میں جو بعض پراسرار اور ناقابل فہم واقعات پیش آتے ہیں، ان پر غور کرنے سے غیب کے اس اعلیٰ ترین ذریعہ علم کا دھندلا سا خاکہ ذہن میں آسکتا ہے جس سے غیر جسمانی اور غیر حسی مادی ذرائع علم کے سمجھنے اور باور کرنے میں جو استبعاد معلوم ہوتا ہے، وہ دور ہوسکتا ہے خصوصاً اس عہد میں جب سائیکالوجی کی تحقیقات سے نفس کی بہت سی نامعلوم طاقتوں کا پتہ چل رہا ہے اور اس پر پیچولزم کے ذریعہ ارواح سے خطاب و کلام کی سلسلہ

جنبانی ہورہی ہے اور جدید روحانیات کا فن ایک مستقل سائینس کی صورت اختیار کر رہا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کو اپنے کشف الہام، اور وحی پر اتنا ہی یقین ہوتا ہے، جس قدر عام انسانوں کو اپنے وجدانیات، محسوسات، فطریات اور بدیہیات پر، انبیاء کا یہ روحانی علم ایسا ہی اندرونی ہوتا ہے، جیسا عام انسانوں میں وجدانیات، فطریات اور بدیہیات و محسوسات کا علم ہوتا ہے، جس طرح کسی شخص کو اس علم میں دھوکا نہیں ہوسکتا ہے کہ اس کو بھوک یا پیاس معلوم ہورہی ہے یا اس کو غم یا خوشی ہے اسی طرح نبی کو بھی اپنے روحانی وجدانیات میں دھوکا نہیں ہوتا اور جس طرح تم کو اپنے فطریات میں یہ مغالطہ نہیں ہوتا کہ دو اور دو چار نہیں ہوتے، اسی طرح اس کو بھی پیغمبرانہ فطریات میں مغالطہ واقع نہیں ہوتا اور جس طرح تم کو اپنے محسوسات میں اگر کسی کو سامنے دیکھ رہے ہو۔ یا کسی کی آواز سن رہے ہو۔ شبہہ نہیں ہوا کرتا، اس کو بھی اپنے روحانی محسوسات میں شبہہ نہیں ہوا کرتا، غرض وہ اپنے ان جملہ غیبی اور روحانی ذرائع علم میں ہر لغزش فریب، خطا اور غلطی سے اسی طرح پاک ہوتا ہے جس طرح تم اپنے وجدانیات، فطریات، محسوسات اور بدیہیات میں غلطی اور خطا سے پاک ہوتے ہو۔

علم غیب:۔ اسلام کے عقیدہ میں غیب کا علم خدا کے سواء کسی کو نہیں، قرآن میں بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اعلان کی ہدایت ہوئی ہے۔

فقل انما الغیب للّٰہ (یونس۔ ۲)

آپؐ کہدیجئے اے پیغمبر کہ غیب خدا کے لئے ہے۔

قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللّٰہ (نمل۔ ۵)

کہدیجئے کہ آسمانوں میں اور زمین میں خدا کے سواء کوئی نہیں جس کو غیب کا علم ہو۔

رسولؐ کہتے ہیں:

ولا اعلمُ الغیب (انعام۔ ۵)

اور میں غیب نہیں جانتا۔

لیکن اسی کے ساتھ دو موقعوں پر یہ بھی کہا گیا ہے کہ با این ہمہ خدا اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو غیب کی اطلاع دیتا ہے۔ سورہ جن میں ہے:

فلا یُظھر علی غیبه احدا الا من ارتضی مِن رَسُول (جن۔ ۲)

تو اللہ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا لیکن اس پیغمبر پر جس کو پسند کرے۔

دوسری جگہ سورہ آل عمران میں ہے:

وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء (ص ۱۸)

اور نہ تھا اللہ کہ غیب کی باتوں پر تم کو مطلع کرتا لیکن یہ کہ اللہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہے چن لیتا ہے۔

ان دو آیتوں سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو غیب کی باتوں کی اطلاع دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن آیتوں میں غیب دانی کی کلیتہً اور قطعاً نفی کی گئی ہے ان سے مرد ذاتی اور حقیقی علم ہے، یعنی خدا کے سواء بالذات کسی کو غیب کا علم نہیں، البتہ خدا کے واسطہ اور ذریعہ سے اور اس کی تعلیم و اطلاع سے پیغمبروں کو اس کا علم حاصل ہوتا ہے۔ ساتھ ہی آیت الکرسی میں فرمادیا گیا:

ولا یحطون بشیء من علمہ الا بما یشاء (البقرہ ۳۴)

اور وہ خدا کے ایک ذرہ علم کا بھی احاطہ نہیں کرسکتے لیکن اتنے کا جتنے کا وہ چاہے۔

یعنی اپنے علومِ غیب سے جتنا اور جس قدر وہ پسند کرتا ہے اور مصلحت سمجھتا ہے وہ ان کو بذریعہ وحی ان سے واقف کرتا رہتا ہے با این ہمہ بعض باتوں کی نسبت جیسا کہ سورہ ہود اور لقمان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قطعی طور سے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ ان کا علم کسی کو نہیں مثلاً قیامت، بارش، موت، شکم مادر میں لڑکا ہے یا لڑکی کل کیا ہوگا، ان باتوں کو خدائے تعالیٰ کے سواء کوئی نہیں جانتا، اسی طرح بعض آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے کہا گیا ہے کہ اس کا تم کو علم نہ تھا، جیسا کہ غزوہ تبوک میں عدم شرکت کے بعض عذر خواہ لوگوں کے متعلق سورہ توبہ میں ہے کہ انھوں نے جھوٹی قسمیں کھاکر اجازت حاصل کرلی خدا نے فرمایا۔

عفا اللہ عنک لم اذنت لھم حتی یتبین لک الذین صدقو و تعلم الکذبین۔ (توبہ ۷)

خدا نے آپؐ سے درگذر کیا کیوں آپ نے ان کو اجازت دی، تاآنکہ آپ کو معلوم ہوجائے جو سچ بولے، اور جھوٹوں کو جان لے۔

لقد ابعو الفتنہ من قبل وقلبو لک الامور حتی جاء الحق وظھر امر اللہ وھم کرھون۔ (توبہ ۷)

انہوں نے پہلے فتنہ پیدا کرنا چاہا اور آپؐ کے سامنے واقعات الٹ دیئے یہاں تک کہ حق بات آگئی۔ اور خدا کی بات کھل گئی اور وہ ایسا نہیں چاہتے تھے۔

آگے چل کر ہے:

مردوا علی النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم ۔ (توبہ۔ ۱۲)

یہ نفاق پر اڑے ہیں آپؐ ان کو نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔

ان آیتوں سے یہ واضح ہے کہ پیغمبروں کو غیب کا کلی علم نہیں ملتا بلکہ ان کو غیب کی اطلاع دیئے جانے کے موقع کی دونوں آیتوں میں رسولؐ ہی کا لفظ استعمال کرنا اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جن امور غیب کی اطلاع پیغمبروں کو دی جاتی ہے، ان کا تعلق فریضہ رسالتؐ اور اس کی مصلحتوں اور شریعتوں سے ہے۔

غیب کی حقیقت :۔ علم غیب کے اس نادیدہ راستہ میں اتنی منزل طے کرلینے کے بعد یہ سوال سامنے آتا ہے کہ قرآن مجید کی اصطلاح میں غیب کس کو کہتے ہیں؟ قرآن مجید کے اس لفظ کے استعمال کے تمام مواقع پر غور کرنے سے اس کے اجمالی اور تفصیلی دونوں معنی واضح ہوتے ہیں، اجمالاً اس کا اطلاق ان امور پر ہوتا ہے جن کا علم انسان اپنے علم کے عام اور طبعی و فطری ذریعوں سے حاصل نہیں کرسکتا، گذرچکا ہے کہ انسانی علم کے طبعی ذریعہ، وجدان حواس اور عقل و استدلال وغیرہ ہیں۔ ان طبعی ذریعوں سے جو ہر، انسان کو ملے ہیں، جو علم حاصل نہیں ہوتا، اس کو " علم غیب " کہتے ہیں، یعنے اس شئے یا ان اشیاء کا علم جو انسان کے ظاہری و باطنی حواس اور دماغی قویٰ کی نگاہوں کے سامنے سے غائب ہیں، اور اس کا مقابل لفظ " شہادت " ہے جس کے معنی حاضر ہونے کے ہیں، یعنی وہ اشیاء جو ہر انسان کے حواس اور قوائے دماغی کے سامنے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کو بار بار **عالم الغیب والشہادۃ** کہا ہے (انعام، رعد، حشر، تغابن) یعنی انسانوں کے طبعی ذرائع علم کے سامنے جو حاضر ہے اور جو غائب ہے ان سب کا عالم اور واقف کل وہی ہے الغرض اجمالاً علم غیب اسی غیبی طریقہ علم کا نام ہے جو عام انسانوں کو نہیں ملا ہے۔

تفصیلی حیثیت سے قرآن پاک میں غیب کا اطلاق چار چیزوں پر ہوا ہے۔

(۱) زمانہ ماضی کے واقعات جن کا علم بعد کو نہ تو حواس کے ذریعہ ہوسکتا ہے کہ حواس سے صرف شاہد (سامنے موجود) کا علم ہوتا ہے، اور نہ عقل و فکر کے ذریعہ ہوسکتا ہے اگر ہوسکتا ہے

تو تحریر و روایت کے ذریعہ، لیکن جس کے لیۓ تحریر و روایت کا ذریعہ یقینی طور سے مسدود ہو، اس، اس کے لیۓ انکا علم اگر ہوسکتا ہے تو غیبی ہی ذریعہ سے ہوسکتا ہے۔

حضرت نوحؑ کے مختصر قصہ کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک ما کنت تعلمھا انت ولا قومک من قبل ھذ۔ (ہود۔۴)

یہ غیب کی بعض خبریں ہیں ہم ان کو وحی کرتے ہیں، آپؐ کی طرف تو آپؐ ان کو پہلے سے جانتے ہی نہیں تھے اور نہ آپؐ کی قوم جانتی تھی۔

حضرت مریمؑ کے قصہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

ذلک من انباء الغیب نوحیه الیک وما کنت لدیھم اذ یلقون اقلامھم ایھم یکفل مریم وما کنت لدیھم اذ یختصمون۔ (آل عمران۔۵)

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے اس کو ہم آپؐ کی طرف وحی کرتے ہیں، اور نہ تو آپؐ ان کے پاس موجود تھے، جب وہ اپنے قلم (قرعہ کے طور پر) ڈال رہے تھے کہ کون مریم کو پالے اور نہ تو آپ کے پاس اس وقت تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔

دیکھو کہ محسوس واقعات کے علم کا طبعی طریقہ اس وقت موجود رہ کر دیکھنا اور سننا تھا، اس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی کی گئی کہ آپ وہاں یقیناً اس وقت موجود تھے اب رہ گیا کسی دوسرے انسانی ذریعہ سے سننا اس کی بھی نفی پہلے ہی سے ہے کہ آپؐ کی قوم میں سے بھی کسی کو معلوم نہ تھا، اور نہ دوسروں سے معلوم کیا اب اس کا علم جس غیر طبعی طریقہ سے رسولؐ کو دیا گیا، وہ وحی کا ذریع ہے۔

اسی طرح حضرت یوسفؑ کے پورے واقعہ کے ذکر کے بعد فرمایا:

ذلک من انباء الغیب نوحیه الیک وما کنت لدیھم اذ اجمعوا امرھم وھم یمکرون۔ (یوسف ۱۱)

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے، ہم اس کو آپؐ کی طرف وحی کرتے ہیں اور آپؐ اس وقت ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنا کام طے کرنے لگے، اور چال چل رہے تھے۔

اس میں بھی علم شاہد کی نفی کرکے علم غائب کو ثابت کیا گیا، بہرحال ان آیتوں سے واضح ہے کہ ماضی کے واقعات کے غیر طبعی طریقہ علم کو بھی علم غیب کہا گیا ہے۔

(۲) اسی طرح آیندہ مستقبل میں جو واقعات ہونے والے ہیں ان کو بھی غیب کہا گیا ہے ان کا علم دلائل و قیاس کے طبعی ذرائع کے علاوہ غیر طبعی ذریعہ سے ہوا ہو تو اس کو بھی علم غیب کہیں گے۔ قرآن پاک میں ایک موقع پر ان کفار کے جواب میں جو نشانیوں کے طالب تھے یہ کہا گیا۔

فقل انما الغیب للہ فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔ (یونس۔۲)

آپ کہدیجئے کہ غیب کا علم خدا ہی کے لئے ہے انتظار کرو، میں بھی
تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔

مستقبل کے منتظرہ واقعات کو اس آیت میں "غیب" کہا گیا ہے اسی طرح قیامت کو بار بار غیب کہہ غیر خدا سے اس کے علم کی نفی کی گئی ہے:

ان اللہ عندہ علم الساعۃ ۔ (لقمان ۴)

خدا ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔

یَسْئَلُونَکَ عنِ الساعۃ اَیَّان مُرسٰھا قُل اِنماعِلْمُھا عندَ ربی (اعراف ۲۳)

وہ قیامت کو پوچھتے ہیں، کہدو کہ اس کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے۔

اسی طرح مستقبل کے دوسرے واقعات کے علم کی بھی انسانوں سے نفی کی گئی ہے:

وما تدری نفس ماذا تکسب غداً وما تدری نفس
بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوت (لقمان ۴)

کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا اور نہ کوئی جانتا ہے کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا۔

(۳) ان چیزوں پر بھی غیب کا اطلاق کیا گیا ہے جو گو ماضی اور مستقبل نہیں، بلکہ زمانۂ حال میں موجود ہیں تاہم انسان کے حواسِ خمسہ اور عقل کی محدود طاقت سے ان کا علم نہیں ہوسکتا۔ ہم کو دیکھنے اور سننے کی طاقت دی گئی ہے مگر اس کے لئے کسی نہ کسی مسافت، عدم حجاب اور دیگر چند شرائط کی قید لگادی گئی ہے جن کے بغیر ہماری یہ طاقت بالکل بے کار ہے ہم دلی میں بیٹھ کر بمبئی کے پیش نظر مناظر کو نہیں دیکھ سکتے۔ اور نہ بغیر آلات کے ہم یہاں سے وہاں کی آواز آج بھی سن سکتے ہیں۔ اس لئے زمانۂ حال کے علم کے لئے بھی جو طبعی شرائط اور قیود ہیں، ان کے بغیر جو علم حاصل ہوگا وہ غیب ہوگا۔

ہوتے ہیں بعض گذشتہ قوموں اور پیغمبروں کے عبرت انگیز اور نصیحت آمیز حالات سے بھی روایت اور تحریر کے ذریعہ کے بغیر وحی کے واسطہ سے ان کو مطلع کرتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کے حوالوں سے اوپر گذر چکا، آیندہ مستقبل میں دنیا کے فتنوں، امت محمدیہ کے انقلابات، قیامت کے مناظر اور اس کے بعد کے پیش آنے والے واقعات کا علم آپؐ کو دیا گیا، جیسا کہ ان دنیاوی پیشنگوئیوں اور قیامت و محشر کے ان مناظر سے ظاہر ہے جو قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں بتصریح مذکور ہیں، اسی طرح حال کے ان احوال و مناظر کا علم بھی ثابت ہے جو باوجود سامنے موجود ہونے کے احساس و تعقل کے طبعی شرائط نہ پائے جانے کے سبب سے عام انسانوں کو نظر نہیں آتے، قبروں کا انکشاف، پس پردہ رویت، دوسروں کے موجودہ احوال سے واقفیت وغیرہ، اس علم غیب میں سے بھی پیغمبر کو عطا ہوتا ہے اور سب سے آخر میں وہ مغیبات ہیں جن کا احساس و تصور ہمارے مادی ذرایع علم سے قطعاً خارج ہے۔ تاہم وہ بھی اس کو دکھائے اور بتائے جاتے ہیں، خود خدا کا دیدار فرشتوں کی رویت، جنت و دوزخ کا مشاہدہ وغیرہ، ان تمام امور غیب میں سے اللہ تعالیٰ جس رسول کے لئے جس قدر مناسب اور سزاوار سمجھتا ہے اس کا علم وحی کے مختلف اقسام کے ذریعہ سے اس کو عطا فرماتا ہے۔

اثبات و استثنائے علم غیب

آیاتِ ذیل سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو علم غیب عطا نہیں فرمایا البتہ انبیاء علیہم السلام ہی میں سے وہ جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔

●

وما کان اللہ لِیُطْلِعَکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی مِنْ رُسلِہ من یشاء۔

اللہ تم پر اپنا غیب ظاہر نہیں فرماتا، وہ لیکن چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسکو چاہتا ہے۔ (۴/۹)

●

فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی مِن رّسول

اپنا غیب وہ کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر جس رسول کو وہ منتخب کرے (۲۹/۱۲)

روح البیان میں ہے کہ " ابن شیخ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ اس غیب پر جو اس سے خاص ہے کسی کو مطلع نہیں فرماتا، سوائے برگزیدہ رسول کے۔ اور جو غیب کہ رب سے خاص نہیں اس پر غیر رسول کو بھی مطلع فرما دیتا ہے۔ (جاء الحق و ذھق الباطل)

آنحضورؐ کا علم غیب اور احادیث شریف

●

از ابتداء تا انتہاء

☆ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ہمارے درمیان کھڑے ہوکر آغاز پیدائش سے جنت و دوزخ میں داخل ہونے تک کا ذکر فرمایا، جس شخص نے اس بیان کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی محفوظ رکھا اور جس نے کوشش نہیں کی وہ بھول گیا ۔ (بخاری) (مشکوٰۃ مترجم جلد سوم باب بدء الخلق)

●

سب کچھ بتادیا

☆ حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں قسم ہے خدا کی میں نہیں کہہ سکتا میرے دوست (واقعی بھول گئے ہیں یا بھول جانے کا اظہار کرتے ہیں ۔ (حقیقت میں نہیں بھولے) قسم ہے خدا کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسے شخص کا ذکر نہیں چھوڑا جو آج سے قیامت کے دن تک فتنہ کا باعث ہوگا یعنی اس فتنہ برپا کرنے والے شخص کا جس کے ساتھیوں کی تعداد تین سو تک یا تین سو سے زیادہ ہو یہاں تک کہ ہم کو اس کے باپ کا اور اس کے قبیلہ تک کا نام بتادیا ۔۔۔۔ (ابو داؤد) ۔ (مشکوٰۃ ترجمہ سوم ۔ باب الفتن)

●

ہر چیز کا علم

☆ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عائش کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار کو خواب کے اندر بہترین صورت میں دیکھا خدا نے مجھ سے پوچھا ملائکہ مقربین کس معاملہ میں بحث کرتے ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ تو ہی خوب جانتا ہے (یہ سن کر) خدا وند تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے مونڈھوں کے درمیان رکھا جس کی سردی میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی اور مجھ کو آسمانوں اور زمین کی تمام درمیانی چیزوں کا علم حاصل ہوگیا پھر حضورؐ نے یہ آیت پڑھی **وکذالک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین ہ**

(مشکوٰۃ باب المساجد)

صحابہؓ بھی جان گئے

☆ حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال پر چھوڑا کہ کوئی پرندہ اپنے پر بھی نہیں ہلاتا مگر اس کا علم ہم کو بتادیا۔ (مسند امام احمد بن حنبلؒ)

پوچھو کیا پوچھتے ہو؟

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے قیامت کا ذکر فرمایا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات ہیں پھر فرمایا کہ جو شخص جو بات پوچھنا چاہئے پوچھ لے قسم خدا کی ہم جب تک اس جگہ یعنی منبر پر ہیں، تم کوئی بات ہم سے نہ پوچھو گے مگر ہم اس کی خبر دیں گے۔ ایک شخص نے کھڑے ہوکر عرض کیا کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ فرمایا جہنم میں۔ عبداللہ بن حذافہ نے کھڑے ہوکر دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے۔ فرمایا حذافہ۔ پھر بار بار فرماتے رہے کہ پوچھو پوچھو۔ (بخاری کتاب الاعتصام)

یہاں یہ سمجھ لینا کہ حضورؐ نے پوچھنے والوں کو جو کچھ جوابات عطا فرمائے وہ زمانہ ء قیام منبر تک ہی تھے ـ ـ ـ ـ ـ ایسا نہیں بلکہ مطلب یہ تھا کہ کہیں مخالفین یہ نہ سمجھ لیں کہ ذاتِ مجیب صرف ادعائے جوابات کرکے ٹل نہیں رہی ہے بلکہ اپنے ہی مقام پر اٹل ہے اور بلا تاخیر جواب دے سکتی ہے اس کا ثبوت یوں بھی ہے کہ حضورؐ نے منبر سے ہٹ کر بھی زمانہ مابعد میں بے شمار بارسائلین کی تشفی فرمائی منبر ہی کو شرط نہیں ٹھہرایا ـــــ اور پوچھنے والوں کو رد نہ کرنے کے تعلق سے قرآن شاہد ہے **واما السائل فلا تنہر** گویا اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سلسلہ حضورؐ کی حیاتِ طیبہ تک جاری ہی رہا۔

علم غیب اور طعنہء منافقین

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم پر ہماری امت پیش فرمائی گئی اپنی اپنی صورتوں میں مٹی میں جس طرح کہ حضرت آدمؑ پر پیش ہوئی تھی۔ ہم کو بتادیا گیا کہ کون ہم پر ایمان لاوے گا اور کون کفر کریگا، یہ خبر منافقین کو پہونچی تو وہ ہنس کر کہنے لگے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی پیدائش سے پہلے ہی کافر و مومن کی خبر ہوگئی ہم تو ان کے ساتھ ہیں اور

ہم کو نہیں پہچانتے یہ خبر حضور علیہ السلام کو پہونچی تو آپؐ منبر پر کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا کہ قوموں کا کیا حال ہے کہ ہمارے علم میں طعنے کرتے ہیں اب سے قیامت تک کسی چیز کے بارے میں جو بھی تم ہم سے پوچھو گے ہم تم کو خبر دیں گے۔ (تفسیر خازن پارہ ۴)

●

مخبر صادق

(بھیڑیا بھی حیرت کرے)

☆ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں ایک بھیڑیا آیا اور چرواہے کے ریوڑ میں سے ایک بکری اٹھا لے گیا چرواہے نے اس کا تعاقب کیا اور بکری کو اس سے چھین لیا ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ پھر وہ بھیڑیا ایک ٹیلہ پر چڑھ گیا اور وہاں اپنی وضع پر بیٹھ کر کہا میں نے اپنے رزق کا ارادہ کیا تھا جو مجھ کو خدا نے دیا۔ میں نے اس پر قبضہ کیا تھا لیکن تُو نے (اے چرواہے) اس کو مجھ سے چھین لیا چرواہے نے کہا خدا کی قسم ایسی عجیب بات میں نے کبھی نہیں دیکھی جو آج کے دن دیکھی ہے کہ بھیڑیا بولتا ہے۔ بھیڑیئے نے کہا اس سے زیادہ عجیب اُس شخص کا حال ہے جو درختوں میں ہے وہ کھجور کے درخت جو دو سنگستانوں کے درمیان واقع ہیں وہ شخص گذری ہوئی باتوں کی خبریں دیتا ہے اور جو واقعات تمہارے بعد ہونے والے ہیں ان کو بتاتا ہے۔۔۔۔۔ (یعنی ہمارے نبی کریم) (مشکوٰۃ باب المعجزات)

●

قبروں کا حال

☆ حضور علیہ السلام دو قبروں پر گذرے جن میں عذاب ہو رہا تھا تو فرمایا کہ اُن دونوں شخصوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور یہ کسی دشواریات میں عذاب نہیں ہو رہا ہے ان میں سے ایک تو پیشاب سے نہ بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا۔ پھر ایک ترشاخ لے کر اس کو آدھا آدھا چیرا پھر ہر قبر میں ایک ایک گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ ٹکڑے خشک نہ ہوں گے ان دونوں شخصوں سے عذاب میں کمی کی جائے گی (بخاری باب اثبات عذاب القبر)

علم الآخرین

☆ ایک حدیث میں دجال سے جنگ کرنے والوں کے سلسلہ میں حضورؐ فرماتے ہیں کہ مسلمان اس حال میں ہونگے کہ ان کو سخت لڑائی کی خبر ملے گی جو اس لڑائی سے زیادہ سخت ہوگی پھر مسلمان یہہ فریاد سنیں گے کہ دجال ان کی عدم موجودگی میں ان کے اہل و عیال میں پہونچ جائیں گے اور دس سواروں کو آگے بھیجیں گے کہ دشمن کا حال معلوم کریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان جن سواروں کو آگے بھیجیں گے مجھے ان کے اور ان کے باپوں کے نام معلوم ہیں اور ان کے گھوڑوں کا رنگ بھی (مشکوٰۃ باب الملاحم)

موت کہاں ہوگی

☆ غزوہ بدر میں حضورؐ نے فرمایا کہ یہ فلاں شخص کے گرنے کی جگہ ہے اور اپنے دست مبارک کو ادھر ادھر زمین پر رکھتے تھے۔ راوی نے فرمایا کہ کوئی بھی مقتولین میں سے حضورؐ کے ہاتھ کی جگہ سے ذرا بھی نہیں ہٹا۔

(مسلم اکتاب الجہاد)

★ ★ ★ ★ ★

علم غیب۔ ایک استدلال

علم کے معنیٰ لغت میں دانستن یعنی جاننے کے ہیں اور اصطلاحاً کسی شیٔ کے مالہ و ما لیہہ اور اس کی حقیقت و ماہیت پر پہونچنے اور عبور رکھنے کا نام ہے۔

حضرت مولانا روم کے الفاظ ہے

"علم آنست کہ تا بمعلوم برسی"

یعنی علم یہ ہے کہ جسے جانا جاتا ہے اس کی کنہہ ذات تک پہونچا جائے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر جو فضیلت عطا فرمائی وہ علم ہی کی دولت تھی، چونکہ وہ خلیفۃ الارض بنائے گئے تھے اس لئے ارضیات وغیرہ سے متعلق کوئی چیز بھی ان سے لاعلمی میں نہیں رہی جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا

یعنی حضرت آدم کو تمام اشیاء کی حقیقتوں پر دسترس کرادی گئی جو ان کے لئے غیب و حضور تھے، حضورؐ نے بھی فرمایا مجھے اگلوں اور پچھلوں سب کا علم دیا گیا، حضرت آدمؑ کے علاوہ انبیاء علیہم السلام میں سے بعض کو خدا نے اپنی رضا[1] اور انتخاب[2] سے علم غیب کا حامل بنایا۔

غیب سے مراد وہ امور جو حواسِ انسانی سے بالاتر اور عقل کی گرفت سے خارج ہیں اور ہماری آنکھ سے پوشیدہ اور غائب ہیں، علماء نے اس کی دوس قسمیں قرار دی ہیں ایک وہ جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور ایک وہ جس پر دلیل قائم ہو اور عقائد اسلام میں داخل ہے کہ خدا کے احاطہ شہود سے کوئی چیز غائب نہیں کیوں کہ یہ موجودات عالم اور یہہ نمود کائنات اسی کے ساتھ وجود میں جلوہ گر ہے۔ ہاں عرفا اور اہلِ معارف و حقائق کے نزدیک غیب ایک حقیقت ہے جو خدائے پاک کی ذات کے ساتھ خاص ہے جسے غیب الغیب اور حضرت غیب کا نام دیا جاتا ہے جہاں خدا اور رسولؐ کے کمالِ قربؐ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى" کے نتیجہ میں فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى کا خصوصی امتیاز صرف حضورؐ ہی کے لئے ہے۔

---

(۱) فلا يظهر على غيبه احدا الا من ارتضى من رسول۔

(۲) وما كان الله ليطلعكم على الغيب ولكن الله يجتبي من رسله من يشاء۔

جمہور مفسرین نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک میں علم غیب کا اثبات[1] کیا ہے کہ کسی چیز کا علم بھی آنحضورؐ سے پوشیدہ نہیں تھا اور یہ حقیقت بھی ہے کہ جہاں حضرت آدمؑ نے سب کچھ سیکھ لیا وہیں خدا کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم **عَلمکَ مَالَمْ تکن تعلم** کی دستاویز علم عطا فرمائی گئی گویا علم کے ساتھ ساتھ اس کی استعداد کا عطیہ بھی عنایت ہوا جو اصل میں سارے معلومات کی کلید ہے جس کے بعد حضورؐ کے مزاج مبارک کی کیفیت بیان کی گئی کہ آپؐ پوچھنے والے کو علم غیب سے مطلع کرنے پر بخیل نہیں ہیں کہ اب غیب بھی حضورؐ کے لئے شہود اور عین حضورؐ ہے۔ اور آیت پاک **وما ھو علی الغیب بضنین** یعنی آپ غیب پر بخیل نہیں۔" سے بھی حضورؐ کی صفت عطائے علم کا اظہار اظہر من الشمس ہے۔ یہاں یہ اعتراض کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا۔ تو آپؐ نے اپنے نفع و نقصان پر کیوں غور نہیں فرمایا جواب یہی ہے کہ چونکہ یہ علم غیب بھی آپ کو تھا پھر بھلا آپؐ اُس کے خلاف کس طرح کرسکتے تھے۔ آپؐ نے جو کچھ بھی کہا یا کیا وہ علم غیب ہی کی ایک تجلی تھی۔ اللہ نے اسی لئے فرمایا ہے۔

وما ینطق عَنِ الھَوٰیٰ اِنْ ھُوَ اِلَّا وحی یُوحٰی ہ

(آپؐ اپنی خواہشِ نفس سے کوئی بات نہیں کرتے مگر یہ کہ وہ صرف وحی ہوتی ہے جو آپؐ کی جاتی ہے۔ (نجم۔۱)

---

[1] تفسیر بیضاوی، تفسیر جلالین، تفسیر کبیر، تفسیر خازن، تفسیر روح البیان، تفسیر صادی تفسیر مالک، تفسیر نیشاپوری (بحوالہ جاءَ الحق وزحق الباطل)

حرفِ مکرّر

●

اللہ عالم الغیب ہے اور غیب سے مراد وہ حقایقِ معلومات بھی ہیں جو علم حق میں ازل
ں سے ثابت ہیں ۔ اللہ نے حضورؐ کو اپنی ساری مخلوقات میں از اول تا آخر سب سے زیادہ علم عطا
یایا اور اطلاع علی الغیب کی صفت خصوصیہ جو ذاتِ محمدیہؐ میں فطرتاً ودیعت ہے اس کی طرف
آن حکیم میں ارشاد فرمایا ۔

وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما ہ (نساء ۱۷)

یٰ اللہ نے فرمایا کہ " سکھایا ہم نے آپ کو جو آپؐ نہیں جانتے تھے "، جس کا مطلب واضح ہے
، اپنی طرف سے نہ جانتا ہی آپ کا خاصہ ءکمال تھا جو خود منتہائے عبدیت پر تمام ہوا، اور یہیں یہ
ت کھل بھی جاتی ہے کہ جس کی ذات میں عدم علم ہی وجہ تعریف و توصیف ہے اسے فضل الٰہی
سے وہ صلاحیت بخشدی گئی کہ اس نے وہ سب کچھ جان لیا جسے وہ اپنے طور پر اسی لئے نہیں جانتا
ھا کہ علم غیب ذاتِ حق کے لئے خاص تھا ۔

کسی شئے کی ترکیب و تخلیق کے علم کا اصل اصول اس کی حکمت ہے اور جسے یہ حکمت
لی اسے گویا ایک خیر کثیر سے نوازا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بجائے خود معلم کتاب و
حکمت ہیں ۔

تعلیم کتاب و حکمت حضورؐ کا وہ کمال ذاتی ہے جس کی طرف آج سے ہزاروں سال پہلے
ہی سے دعائے خلیلؑ میں خصوصیت کے ساتھ اشارے ملتے ہیں اور جسے خود عالم الغیب نے بھی
حضورؐ کی صفتِ ذات میں بطور خاص ارشاد فرمایا ہے ۔

یعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانو!
من قبل لفی ضلال مبین (جمعہ)

لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

آئندہ صفحات میں

جن معترضین کے مختلف اعتراضات اور ان کے
جوابات پیش ہیں، ان میں اہلِ فکر ودانش کے لئے لمحہ فکر ہے۔

فبشر عِبادالذین یستمعون القول فیتبعون احسنه اُولٰئک الذین ھَداھُم اللّٰہ واولٰئکَ ھم اولوالالباب ●

حضورؐ سے ارشاد ہے کہ آپؐ ان بندوں کو بشارت دیدیں جو کسی بات کو سن کر اس کی خوبیوں پر عمل کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی اور یہی صاحبانِ عقل ہیں۔ (۲۳/ ۱۶)

●○●○●○

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اعتــــراض

"اب رہی یہ بات کہ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ اپنی اپنی قبروں زندہ ہیں یا نہیں ۔ اور اگر
ہ ہیں تو کیا وہ سن سکتے ہیں یا نہیں ؟ اور اگر سن سکتے ہیں تو کچھ کر بھی سکتے ہیں یا نہیں سکتے ہیں
نہیں ؟ ان تینوں سوالوں کے جواب میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا صحیح اور ٹھوس
ب بیان کر دینا چاہتا ہوں تاکہ اہل سنت والجماعت کو حنفی مذہب کا صحیح عقیدہ معلوم ہوجائے
ئے : " امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ و اصحاب وسب مشائخ کے نزدیک بالاتفاق کسی کو قدرت نہیں
اپنی آواز کسی میت کو سنادے ۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ چاہے تو مردہ سنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا چاہنا
ام اور دعا وغیرہ ہم کو شرع سے معلوم ہو پس اپنے اٹکل سے ہم کسی چیز کو زائد نہیں کر سکتے اور
رت کی حیات کا قیاس دنیاوی زندگی پر بالکل غلطی ہے اس پر فقہاء اور علمائے امت متفق ہیں
(عین الہدایہ جلد اول ص ۳۲، صفت میت کے بیان میں)

الجواب

عنوان بالا کے تحت اوپر کی عبارت ایک ایسی کتاب سے ماخوذ ہے جو اُن کتابوں کی
بیل سے ہے جن کا تمام تر مقصد آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو درجہ مساوات پر (نعوذباللہ)
یکھنا ہے اسے کیا کیا جائے کہ بیچارے مولف کی چشم حسد سے بصارت اس حد تک زائل ہوچکی
ہے کہ اسے عام انسانوں اور انبیاء علیہم السلام میں کوئی فرق محسوس نہیں ہورہا ہے ۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گناہ

قرآن حکیم نے شاید ایسوں ہی کے تعلق سے فرمایا ہے ۔ تراھم ینظرون الیک و ھم لایبصرون ○
یہاں کتاب کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ عام میّت کے دفن کے بیان میں ہے ۔ بات کو زبردستی توڑ
مروڑ کر بیان کرنا اور اسے اپنے مطالب پر ڈھالنا دین میں بیبساکی اور دریدہ دہنی ہے ۔

مولف نے اپنی عبارت میں تین سوالات قائم کئے ہیں جن کا جواب انہوں نے " عین
الہدایہ " کے حوالہ سے خود ہی درج کر دیا ہے لیکن یہ " سوائے دیگر و جوابے دیگر " والی بات ہے
انشاء اللہ تعالیٰ سوالات خط کشیدہ کا جواب قبروں میں زندہ ہیں یا نہیں حسب ذیل ہے ۔

قبروں میں زندہ ہیں یا نہیں

وہ لوگ جو راہ خدا میں مارے گئے قرآن ان کے تعلق سے ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے۔

ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا۔ الخ (آل عمران ۲۱)۔۱

یعنی جو اللہ کی راہ میں مارے گئے انھیں مردہ مت کہو کیوں کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کی طرف سے وہ رزق پارہے ہیں۔" اور جو آیندہ بھی اس راہ میں مقتول ہونگے ان کے تعلق سے بھی تہدید ہے۔

ولا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله اموات... الخ (البقر ۱۹)

"یعنی جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں گے انھیں مردہ مت کہو، وہ زندہ ہیں لیکن تم کو اس کا شعور نہیں۔"

جب امتیانِ محمدیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ ان کو مردہ بولنا یا سمجھنا بھی خلاف ادب ہے۔ کیونکہ وہ زندہ ہیں اور رزق بھی پا رہے ہیں تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ کا کیا اعتبار ہوگا اور ہمارا کونسا شعور یہاں بار پاسکے گا؟

" فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کی آواز میں سنتا ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا، کیا آپ کی وفات کے بعد بھی یا رسولؐ اللہ؟ فرمایا۔۔۔۔ ہاں! خدا نے زمیں پر حرام کردیا ہے انبیاء کے اجساد کو کہ کھائے" (طبرانی)

سن سکتے ہیں یا نہیں

اوپر کی حدیث شریف سے ثابت ہوچکا ہے کہ حضورؐ حیات ہیں اور بہ نفس نفیس سنتے بھی ہیں اس کے علاوہ عام سماعِ اموات کے تعلق سے بخاری شریف میں روایت ہے کہ جو کفّار بدر کے کنویں میں ڈالدیئے گئے تھے ان کی طرف جب آں حضرتؐ نے خطاب فرمایا کہ **هَلْ وَجَدْتم ما وعد ربكم حقا**۔ یعنی کیا تم نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا پالیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا، کیا آپؐ مردوں کو پکارتے ہیں یا رسولؐ اللہ؟ فرمایا ہاں! **ما اَنْتمْ باسمع منهم ولكن لايجيبون** یعنی تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔

(بحوالہء انوار احمدیؐ مصنفہء حضرت مولانا انوار اللہ صاحبؒ بانی مدرسہ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد)

کچھ کر بھی سکتے ہیں یا نہیں

مشکوٰۃ شریف میں ابوداؤد اور بیہقی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ :

" حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص
ہے جو مجھ پر سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں
سلام کا جواب دیتا ہوں ۔ "

اس حدیث شریف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حیات ہونا ، سماعت فرمانا اور جواب
فرمانا ثابت ہوا ۔

امام ابن الحاج مدخل میں اور امام قسطلانی مواہب جلد دوم میں باب زیارتِ قبر شریف میں
یں کہ ہمارے علماء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت اور حیات شریف میں کوئی فرق
پایا ۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی تصنیف مدارج النبوۃ میں لکھا ہے کہ " خدا نے
ایسی قدرت بخشی ہے کہ آپؐ جہاں چاہیں اپنے جسد ظاہری سے ہو کہ جسد مثالی سے تشریف
نیں ۔ "

حضرت امام غزالیؒ نے فرمایا کہ " جس سے زندی میں مدد مانگی جاسکتی ہے اس سے بعد
بھی مدد مانگی جاسکتی ہے ۔ " (اشعۃ للمعات باب زیارتِ القبور)

مولانا اشرف علی تھانوی نے امداد الفتاویٰ جلد ۴ کتاب العقائد و احکام میں لکھا ہے کہ

" جو استعانت و استمداد باعتقاد علم و قدرت مستقل ہو وہ مشرک ہے اور جو باعتقادِ علم و
غیر مستقل ہو اور وہ علم وہ قدرت کسی دلیل سے ثابت ہوجائے تو جائز ہے خواہ جس سے امداد
ئے وہ زندہ ہو یا مردہ ۔ "

ندرجہ صدر سے واضح ہوا کہ جہاں اہلِ اللہ دنیا سے پردہ کرکے بھی ضرور کچھ کرسکتے ہیں کہ موقف
ہیں تو انبیاء علیہم السلام اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کچھ اور ہی ہوئیں ۔

سچ ہی ہے جو علاّمہ اقبالؒ نے فرمایا ؂

مقامش عبدہ ، آمد و لیکن
جہانِ شوق را پروردگار است

لغت یہود کی فریب کاریاں

"راعِنا" کا حجاب لفظی

اور دوسرے مقام پر حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یا ایہا الذین امنو الاتقولوا راعنا وقولوا انظرنا۔** ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے مت کہو راعنا اور کہو انظرنا (انتہیٰ) در منثور میں اس آیت کی تفسیر میں یہہ روایتیں نقل کی ہیں۔

ترجمہ، ابن عباسؓ وغیرہ سے روایت ہے کہ بعض یہود جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرتے تو ابتدائے کلام میں لفظ راعنا کہا کرتے تھے جس کے معنیٰ یہہ ہیں کہ ہماری بات کی مراعات کیجئے اور سماعت فرمائیے مسلمانوں نے سمجھا کہ شاید یہ کوئی عمدہ بات ہے اور اہل کتاب اس کو انبیاء کی تعظیم میں کہا کرتے ہیں اس لئے اس کا استعمال شروع کیا۔ مگر اس وجہ سے کہ یہ کلمہ لغت یہود میں دشنام کے محل میں بھی مستعمل تھا حق تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا۔

پھر تو مسلمانوں نے یہ حکم دیدیا کہ جس سے یہ کلمہ سنو اس کی گردن ماردو اس کے بعد کسی یہودی نے یہہ کلمہ نہ کہا (انتہیٰ) حاصل یہ کہ ہرچند صحابہؓ اس لفظ کو نیک نیتی سے تعظیم کے محل ہی میں استعمال کیا کرتے تھے مگر چونکہ دوسری زبان میں گالی تھی حق تعالیٰ نے اس کے استعمال سے منع فرمادیا اب یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لفظ میں کنایۃً بھی توہین مراد نہ تھی بلکہ صرف دوسری زبان کے لحاظ سے استعمال اس کا ناجائز ٹھہرا تو وہ الفاظ ناشایستہ جس میں صراحتاً کسرِ شان ہو کیوں کر جائز ہوں گے۔ اگر کوئی کہے کہ مقصود ممانعت سے یہ تھا کہ یہود اس کو استعمال نہ کریں تو ہم کہیں گے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے مگر اس میں شک نہیں کہ نہی صراحۃً خاص مومنوں کو ہوی جن کے نزدیک یہ لفظ محل تعظیم میں مستعمل تھا اس میں نہ یہود کا ذکر ہے نہ ان کی لغت کا اگر صرف یہی مقصود ہوتا تو مثل اور ان کی شرارتوں کے اس کا ذکر بھی یہیں ہوجاتا صرف مومنین کو مخاطب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے الفاظ نیک نیتی سے بھی استعمال کرنا درست نہیں۔

پھر سزاء اس کی یہ ٹھرائی گئی جو شخص یہ لفظ کہے خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کی گردن ماردی جائے۔ بالغرض اگر کوئی مسلمان بھی یہ لفظ کہتا تو اس وجہ سے کہ وہ حکم عام تھا بے شک مارا جاتا۔ اور کوئی یہ نہ پوچھتا کہ تم نے اس سے کیا مراد لی تھی اب غور کرنا چاہیئے کہ جو الفاظ خاص

ں کے محل میں مستعمل ہوتے ہیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کرنا خواہ
تاً ہو یا کنایتہً کس درجہ قبیح ہوگا اگر صحابہؓ کے روبرو جن کے نزدیک راعنا کہنے والا
جب قتل تھا کوئی اس قسم کے الفاظ کہتا تو کیا اس کے قتل میں کچھ تامل ہوتا یا یہہ تاویلات
ہوسکتیں ؟ ہرگز نہیں مگر اب کیا ہوسکتا ہے سوائے اس کے کہ اس زمانے کو یاد کرکے اپنی
بسی پر رویا کریں اب وہ پرانے خیالات والے پختہ کار کہاں جن کی حمیت نے اسلام کے
ے مشرق و مغرب میں نصب کردیئے تھے ۔ ان خیالات کے جھلملاتے ہوئے چراغ کو آخری
نے کی ہوا دیکھ نہ سکی ۔ غرض میدان خالی پاکر جس کا جو جی چاہتا ہے کمال جراءت کے ساتھ
ا ۔ پھر اس دلیری کو دیکھئے کہ جو گستاخیاں اور بے ادبیاں جو قابل سزاء تھیں ان ہی پر ایمان
ا قائم کی جارہی ہے جب ایمان یہ ہوتو بے ایمانی کا مضمون سمجھنے میں البتہ غور و تامل درکار
اور اس آیتہ شریف میں بھی حق تعالیٰ نے ایک قسم کی تادیب کی ہے قولہ تعالیٰ :

ان لکم ان تو ذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ
ا ان ذالکم کان عنداللہ عظیما ان تبدو اشیا اوتخفوہ فان اللہ
کان بکل شی علیما (احـزاب ـ ۷)

ترجمہ : نہیں لایق ہے تم کو ایذاد و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو
ن کے ازواج مطہرات کو کبھی بعد ان کے یقیناً یہ بہت بڑا گناہ ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر
کرو تم کچھ چھپاؤ اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے (انتہیٰ)

در منثور میں لکھا ہے :

روایت ہے ابن عباسؓ سے کہ صحابہؓ میں کسی شخص نے کہا تھا کہ اگر رسول اللہ صلی
علیہ وسلم انتقال فرماویں گے تو عایشہؓ یا ام سلمہؓ کے ساتھ نکاح کرے گا ۔ اس کے ساتھ ہی یہ
شریفہ نازل ہوئی ۔

ما کان لکم ان تو ذوا رسول اللہ آخر تک (انتہیٰ) (احزاب ۔ ۷)

اس میں شک نہیں کہ کسی کے وفات کے بعد اس کی عورتوں کے ساتھ نکاح عموماً
ز ہے اور جنھوں نے سادگی سے یہ بات کہی تھی صحابیؓ تھے جن کا نام بھی بعض روایات میں
ر ہے اب ان کی نسبت یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ کسی قسم کا خیال فاسد کیا ہو باوجود اس کے یہ

عتاب ہورہا ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ خیال بھی خالی از بے ادبی نہ تھا کیوں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت وغیرت کا کچھ خیال نہ کیا اور یہ نہ سمجھا کہ جو بات حضرت کی زندگی میں ہے بعد وفات شریف کے بھی ابدالآباد وہی بات ہے ۔ اب اس عتاب کو دیکھئے کہ اس میں کس قدر تشدد کیا گیا ہے کہ اس قسم کی بات کو صرف دل میں لانا بھی ایک امر خطرناک قرار دیا گیا ہے ۔ اس لئے کہ اس موقع میں جو ارشاد ہے کہ جو کچھ تم ظاہرا کرو یا چھپاؤ اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے کہ مقصود اس سے تخویف ہے ورنہ **کان اللہ بکل شیئی علیما** کہنے کی ظاہر کوئی ضرورت نہ تھی ۔ الحاصل حرام ہونا ازواج مطہرات کا تمامی امت پر بعد وفات شریف کے دلیل واضح اس پر ہے کہ حرمت و تعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد وفات کے بھی بحال خود ہے ۔

دل کا چور

اگر کہا جائے کہ نکاح ازواج مطہرات کا بعد وفات شریف کے اس لئے درست نہ تھا کہ حضرت زندہ موجود ہیں ۔ تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ امر واقعی ہے ہمیں بھی اس میں کچھ کلام نہیں ۔ لیکن اگر صرف یہی وجہ ہوتی تو شہداء کی بیویوں کا نکاح بھی درست نہ ہوتا جن کی حیات بھی نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے **کما قال اللہ تعالی ولا تحسبن الذین قُتِلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیا عند ربھم** پس معلوم ہوا کہ نکاح مذکور کو ممانعت اس وجہ سے تھی کہ حرمت وعزت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد وفات کے بھی دلوں میں متمکن رہے اور کوئی مسلمانِ اس قسم کے خیال بھی نہ کرے جس میں کسی قسم کی بے ادبی لازم آجائے ۔

ادب اہل بیتؓ اور حضرت امام شافعیؒ

امام سیوطیؒ نے تنزیہ الانبیاء تشبیہ الانبیاء میں امام سبکیؒ کی کتاب ترشیح سے نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ نے بعض تصانیف میں وہ قصہ نقل کیا جو کسی شریف عورت نے کچھ چرایا تھا اور حضرتؐ نے اس کے قطع ید کا ارادہ فرمایا اور کسی نے سفارش کی پھر وہ حدیث نقل کیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا کہ اگر فلاں عورت بھی (جو ایک شریفہ تھیں) چُراتیں ان کا بھی ہاتھ قطع کرتا)

امام سبکیؒ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا ادب دیکھو کہ حدیث شریف میں فاطمہؓ نام مصرح ہے اگر بعینہ حدیث نقل کردیتے تو کوئی بے موقع بات نہ تھی لیکن ازراہِ کمال ادب صراحۃً نام مبارک کو

ذکر نہ کیا سبحان اللہ کیا ادب تھا حالانکہ الفاظ حدیث کو بعینہ نقل کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور وہ نام مبارک جو حدیث شریف میں وارد ہے لفظ کو کے تحت میں جو محال پر علیٰ سبیل فرض محال آتا ہے مگر بایں ہمہ چونکہ حدیث شریف میں مقام توہین میں وارد تھا اس لئے ادب نے اجازت نہ دی کہ اس نام مبارک کو صراحتہً ذکر کریں گو حدیث شریف میں وارد ہے، سچ ہے۔

جو مقربین بارگاہ ہوتے ہیں انھیں کو ادب نصیب ہوتا ہے۔ ہر کس و ناکس میں وہ صلاحیت کہاں۔

اظہار حال میں آداب کا خیال

روایت ہے ابن عباسؓ سے کہ پوچھا کسی نے عباسؓ سے کہ آپ اکبر ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا اکبر حضرتؐ تھے لیکن میں حضرت سے پیشتر پیدا ہوا (انتھیٰ) اور صدیق اکبرؓ نے بھی کمال ادب سے یہی عرض کیا۔

روایت ہے یزید بن الاصم سے کہ استفسار فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیقؓ سے کہ میں بڑا ہوں یا تم عرض کیا کہ آپؐ اکبر و اکرم ہیں اور عمر میری زیادہ ہے روایت کیا اس کو امام احمدؒ بن حنبل نے تاریخ میں اور خلیفہ بن خیاط اور ابن عسا کرنے (انتہیٰ) اب اس ادب کو دیکھئے کہ باوجود یکہ اس موقع پر لفظ اکبر اور اس دونوں کے ایک معنیٰ ہیں مگر اس لحاظ سے کہ لفظ اکبر مطلق بزرگی کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ صراحتہً اس کی نفی کردی اور مجبوراً لفظ اکبر کو ذکر کیا کیوں کہ صراحتہً مقصود پر دلالت کرنے والا سوائے اس کے کوئی لفظ نہ تھا۔ جب حضرت عباسؓ جن کی تعظیم خود آنحضرتؐ کیا کرتے تھے اور صدیق اکبرؓ کا ادب میں یہہ حال ہو تو ہم کو کس قدر ادب کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔

انگلیوں کا شمار

سُنن ابی داوٗد میں ہے۔ روایت ہے عبید بن فیروز کہتے ہیں کہ برار بن عازبؓ سے میں نے پوچھا کہ کن جانوروں کی قربانی درست نہیں کہا، کھڑے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں اور میری انگلیاں چھوٹی ہیں۔ حضرت کی انگلیوں سے پھر فرمایا کہ چار قسم کے جانور ہیں جن کی قربانی درست نہیں ایک وہ جس کی آنکھ پھوٹی ہو اور جو سخت بیمار ہو اور جس کا لنگ ظاہر ہو اور جو نہایت دبلی ہو (انتہیٰ) خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں پہلے دست مبارک کے اشارے سے تعین فرمادیا کہ چار جانور ہیں جن کی قربانی درست نہیں پھر ان کی تفصیل کی۔ براء بن

عازبؓ نے جب اس واقعہ کو بیان کیا ادب نے اجازت نہ دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی حکایت اپنے ہاتھ سے کریں۔

آخر عذر ظاہر کیا کہ میری انگلیاں چھوٹی ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے ساتھ کچھ نسبت نہیں اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ چار کا اشارہ ہاتھ سے کرنے میں مقصود صرف تعین عدد ہے ظاہرانہ اس میں کوئی مساوات کا شائبہ ہے نہ سوئے ادب باوجود اس کے ادب صحابیت نے دست مبارک کی حکایت کو بھی گوارہ نہ کیا جس سے تشبیہ لازم آجاتی تھی اب دوسرے اداب کو اسی پر قیاس کرلینا چاہیئے۔

"کجاوا" نہ باندھا

اسلعؓ بن شریک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی اونٹنی پر میں کجاوہ باندھا کرتا تھا ایک رات مجھے نہانے کی حاجت ہوئی اور حضرتؐ نے کوچ کا ارادہ فرمایا اُس وقت مجھے نہایت تردد ہوا کہ اگر ٹھنڈے پانی سے نہالوں تو مارے سردی کے مرجانے یا بیمار ہوجانے کا خوف ہے اور یہ بھی گوارہ نہیں کہ ایسی حالت میں خاص سواری مبارک کا کجاوہ اونٹنی پر باندھوں۔ مجبوراً کسی شخص انصاری سے کہدیا کہ کجاوہ باندھے۔ پھر میں چند پتھر رکھ کے پانی گرم کیا اور نہا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے جا ملا۔ حضرت نے فرمایا اے اسلع کیا سبب ہے کہ تمہارے کجاوہ کو متغیر پاتا ہوں عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے نہیں باندھا تھا فرمایا کیوں؟ عرض کیا۔ اس وقت مجھے نہانے کی حاجت تھی۔ اور ٹھنڈے پانی سے نہانے میں جان کا خوف تھا اس لئے کسی کو باندھنے کے لئے کہدیا تھا۔

اسلعؓ کہتے ہیں کہ اسی کے بعد آیتہ **یا ایھا الذین آمنو لا تقربو الصلوۃ** (الآیتہ) نازل ہوئی جس سے سفر میں تیمم کرنے کی اجازت ملی (انتھیٰ)

امام سیوطیؒ تفسیر دُرّ منثور میں کہتے ہیں کہ روایت کی اس حدیث کو حسنؒ ابن سفیان نے اپنی مسند میں اور قاضی اسمٰعیل نے احکام میں اور طحاوی نے مشکل الآثار میں اور بغوی اور ماوردی اور دار قطنی اور طبرانیؒ اور ابو نعیم نے معرفت میں اور ابن مردویہ نے اور بیہقی نے سنن میں اور ضیائے مقدسی نے مختار میں (انتھیٰ) سبحان اللہ کیا ادب تھا کہ جس کجاوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے اس کی لکڑیوں کو حالت جنابت میں ہاتھ لگانا گوارہ نہ تھا۔ اگر بچشم انصاف دیکھا جائے تو منشاء اس کا محض ایمان دکھائی دیگا جس نے ایسی پاکیزہ خیالات ان حضرات کے دلوں میں پیدا

کردیئے تھے ورنہ ظاہر ہے کہ نہ عموماً اس قسم کے امور کی تعلیم تھی نہ صراحتہً ترغیب و تحریص۔

خاموش ؟!

امیر المومنین، ابو جعفر منصورؒ نے جو (خلفائے عباسیہ سے دوسرے خلیفہ ہیں) امام مالکؒ کے ساتھ مسجد نبویؐ میں کسی مسئلہ میں مباحثہ کیا جس میں ان کی آواز بلند ہوگئی۔ امام مالکؒ نے کہا اے امیر المومنین اس مسجد میں آواز بلند نہ کیجئے کیوں کہ حق تعالیٰ نے تادیب کی ایک بہتر قوم کی اس آیتہ شریفہ میں **یا ایھا الذین امنو الا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی** اور مدح کی ان لوگوں کی جو حضرت کے پاس آواز پست کیا کرتے تھے فرمایا ہے۔ **ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ** (الایتہ) اور مذمت کی اس قوم کی جو حجرہ کے باہر سے حضرت کو پکارتے چنچانہ فرماتا ہے۔ **ان الذین ینا دونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون** اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت بعد انتقال کے وہی ہے جو قبل انتقال تھی۔

قبلہء محبت

امیر المومنین (ابو جعفر) یہ سنتے ہی متادب اور متذلل ہوگئے پھر پوچھا اے عبداللہ قبلہ کی طرف متوجہ ہوکر دعا کروں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوں ؟ کہا حضرت سے کیوں منہ پھیرتے ہو وہ تو وسیلہ ہیں آپؐ کے اور آپؐ کے باپ آدم علیہ السلام کی قیامت کے روز تو حضرت کی طرف متوجہ ہوکر شفاعت حضرت کی قبول کرے گا۔ کیوں کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولوانھم اذظلمو انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفرلھم الرسول لوجد واللہ توابا رحیما یعنی وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا اپنی ذاتوں پر، اگر آویں آپ کے پاس اور مغفرت چاہیں اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے تو البتہ پاوینگے وہ اللہ تعالیٰ کو مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا (منتھیٰ) اب ان حضرات کے اعتقادوں کو دیکھئے کہ امام مالکؒ نے آواز بلند کرنے کے باب میں ان آیات پر استدلال کیا۔ **یا ایھا الذین امنو الا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی** اور **ان الذین ینا دونک من وراء الحجرات** اور خلیفہ وقت نے پوچھا تک نہیں کہ **فوق صوت النبی** اور **ینادونک** کے معنیٰ یہاں کیوں کر صادق آتے ہیں اگر اجتہاد کیا گیا تو طریقہ اس کا کیا ہے پھر یہ بھی نہ تھا کہ خلیفہء موصوف کچھ جاہل ہوں کیوں کہ تاریخ خمیس وغیرہ

کتب تواریخ میں مصرح ہے کہ وہ نہایت کامل العقل اور فقیہ النفس عالم جید اور ادب و متدین تھے مگر معلوم نہیں اس استدلال میں کس درجہ کی قوت تھی جس نے خلیفہء وقت کو عین مباحثہ میں ساکت کردیا۔ امام مالکؒ وہ شخص ہیں کہ جن کے شاگردوں کے شاگرد ہونے پر امام بخاری و مسلم وغیرہ اکابر محدثین رحمہم اللہ کو فخر ہے۔ بلکہ یہ سمجھنا اس کا اس کی عبادت اور بے علمی پر م(سپرد) ہونا چاہیئے بات یہ ہے کہ جیسے قوت ایمانیہ میں ضعف بڑھتا چلا جاتا ہے ویسا ہی قوت نظری و فکری میں بھی روز بروز کمی ہوتی چلی جاتی ہے اب اگر کوئی کثرت تصانیف کو پیش کرکے کچھ دعویٰ کرے تو اس کا ابطال ان احادیث شریفہ سے ہو جائے گا جن میں خیرالقرون ہونا اس زمانے کا اور کم ہوجانا علم کا آخری زمانے میں وارد ہے۔ ابن تیمیہؒ نے رفع الملام عن الائمۃ الاعلام میں لکھا ہے۔ یعنی کوئی عالم اس میں شک نہیں کرسکتا کہ قدما متاخرین سے بہت زیادہ علم رکھتے تھے بہت سی حدیثیں ہم تک پہونچی ہی نہیں اور اگر پہونچی تو ضعیف ہوکر ان کے نزدیک وہی حدیثیں صحیح تھیں اگرچہ اس روایت سے کئی مباحث متعلق ہیں مگر یہ بہ خوف تطویل صرف اسی پر اکتفا کیا گیا انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ حسب موقع ذکر کی جائے گی یہاں اسی قدر بیان کرنا مقصود ہے کہ امام مالکؒ نے ان آیات سے وہ ادب استنباط کیا کہ قیامت تک اہل ایمان جس کی بدولت بھرہ اندوز اور متمع رہیں گے جزاہ اللہ تعالیٰ عنا خیرالجزاء۔

کنکری سے اشارے

بخاری شریف میں روایت ہے کہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک بار مسجد نبویؐ میں کھڑا تھا کہ کسی نے مجھے کنکری ماری دیکھا تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں کہا جاؤ اور ان دو شخصوں کو لے آؤ جب ان دونوں کو ان کے پاس لے گیا تو پوچھا تم کون ہو یا کہاں والے ہو کہا طائف والے فرمایا اگر تم اس شہر والے ہوتے تو میں ضرور تم کو اذیت پہونچاتا اور مارتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں تم آواز بلند کرتے ہو (انتھیٰ) اس خبر سے ظاہر ہے کہ مسجد شریف میں کوئی آواز بلند نہیں کرسکتا تھا اور اگر کرتا تو مستحق تعزیر سمجھا جاتا تھا باوجودیکہ سائب بن یزید چنداں دور نہ تھے مگر اسی ادب سے عمرؓ نے ان کو پکارا نہیں بلکہ کنکری پھینک کر اپنی طرف متوجہ کیا یہ تمام ادب اسی وجہ سے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ حیاب ابدی وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ کیوں کہ اگر لحاظ صرف مسجد ہونے کا ہوتا تو فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ یہ تعزیر اہل بلد کے لئے خاص فرمایا جن کو مسجد شریف کے آداب بہ خوبی معلوم تھا۔ اگر صرف مسجد ہی کا لحاظ ہوتا تو اہل طائف بھی معذور نہ رکھے جاتے کیوں کہ آخر وہاں بھی

مسجدیں تھیں اس سے بھی قول امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا صادق آگیا جو خلیفہ منصورؒ سے کہا تھا۔

ان حرمة میتنا کحرمة حیا۔

اسمِ مبارک محمدؐ کی فضیلت

روایت ہے ابی رافعؓ سے کہ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم کسی کا نام محمد رکھو تو اس کو مت مارو، مت محروم کرو۔ (انتھیٰ)

وعن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سمیتم الولد محمد افاکرموہ اوسعوہ الہ فی المجلس ولا تقجوالہ وجها----

روایت ہے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم کسی لڑکے کا نام محمدؐ رکھو تو اس کی بزرگی کرو اور مجلس میں اس کے لئے جائے کشادہ کرو اور مت کرو اس کی مذمت اور توہین (انتھیٰ)

وعن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سمیتم محمد ا افلا تخیبوہ ولا تحرموہ و تقجوہ بورک فی محمد و فی بیت محمد و بمجلس فیہ محمد رواہ دیلمی۔

روایت ہے جابرؓ سے کہ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم کسی کا نام محمدؐ رکھو تو اس کو بے نصیب اور محروم مت کرو برکت دی گئی ہے محمدؐ میں اور اس کے گھر میں جس میں محمدؐ ہو اور جس مجلس میں محمدؐ ہو (انتھیٰ)

و عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسمون محمداثم تسبونہ رواہ عبد بن حمید۔

روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگ نام محمدؐ رکھتے ہو پھر اس شخص کو گالیاں دیتے ہیں۔ (یعنی گالیاں نہیں دینا چاہیئے۔)

وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسمون اولاد کم محمد ا ثم تلعنو نھم

روایت ہے انسؓ سے کہ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اپنی اولاد کا نام محمدؐ رکھتے ہو پر ان پر لعنت کرتے ہو۔ (انتھیٰ) یہ پانچوں رواتیں کنزالعماں میں ہیں الحاصل ان روایتوں سے ثابت ہے کہ علاوہ نام مبارک کی بزرگی کے جس شخص کا نام وہ (محمدؐ) رکھا جائے اس شخص کی بزرگی اور اس سے ادب کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

"سیّدنا محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم"
درود شریف میں اسم مبارک کے ساتھ لفظ سیّدنا کا اضافہ

صحابہ و تابعینؒ جب کبھی نام مبارک کو ذکر کرتے لقب کے ساتھ ذکر کیا کرتے اسی وجہ سے متاخرین رحمھم اللہ نے مستحسن سمجھا ہے کہ نام مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جب لیا جائے خواہ درود شریف میں یا سوائے اس کے لفظ "سیدنا" کہنا چاہیے خصوصاً حرمین شریفین کے علماء کو تو اس میں نہایت ہی اہتمام ہے اور چونکہ احادیث شریفہ سے ثابت ہے کہ آخری زمانہ میں ایمان کا مرجع مدینہ منورہ ہی ہوگا......... طالبینِ حق کو چاہیئے جن امور کو وہاں کے علماء دینی حیثیت سے مستحسن سمجھتے ہیں اس میں ان کا اتباع کیا کریں یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ عبداللہ بن شخیر کہتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفد نبی عام میں تشریف لے گئے اور میں بھی ساتھ تھا میں نے عرض کیا (انت سیدنا) فرمایا السید اللہ تبارک وتعالیٰ (۱) جواب اس کا یہ ہے کہ اس موقع پر تواضعاً یہ فرمایا ورنہ اطلاق اس لفظ کا اللہ تعالیٰ کے سواء اوروں پر کئی حدیثوں میں وارد ہے...... عمر رضی اللہ عنہ (نے) ابوبکر اور بلال رضی اللہ عنہما کو بلفظ سیدنا ذکر کیا چنانچہ کنزالعمال میں یہ روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابوبکرؓ ہمارے سید ہیں اور ہمارے بلالؓ کو آزاد کیا۔ جب اطلاق اس لفظ کا صحابیوں پر جائز ہوا تو سید الانبیاء والمرسلین پر جائز و مستحسن ہونے میں کیا کلام۔ خود حضرتؐ فرماتے ہیں کما **فی المستدرک الحاکم عن جابر بن عبداللہ قال صعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المنبر فحمد اللہ و اثنی علیہ ثم قال من انا قلنا رسول اللہ نعم ولکن من انا قلنا انت محمدٌ ابن عبدالمطلب بن ھاشم بن عبد مناف قال انا سَیّدُ ولد ادم ولا فخر قال الحاکم ھذا صحیح الاسناد۔**

روایت ہے جابر بن عبداللہ سے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور حمد و ثنائے الہیٰ کے بعد فرمایا میں کون ہوں ہم نے عرض کیا۔ اللہ کے رسولؐ ہیں پھر وہی سوال فرمایا ہم نے عرض کیا آپ محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف ہیں فرمایا میں سید اولاد آدم ہوں اور کچھ فخر نہیں کہا حاکم نے یہ حدیث صحیح ہے (انتھیٰ) قرآن میں آل عمران کی ۳۹ ویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یحیٰ کو سیّدنا کہا ہے۔

---

(۱) ظاہراس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؐ نے اس لفظ کو تواضعاً جائز نہیں رکھا۔

"میلادِ مُبارکؑ"

سَلَامٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ ○

اے فروغت صبحِ اعصار و دُہور
چشم تو بیند مافی الصدور
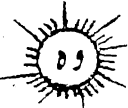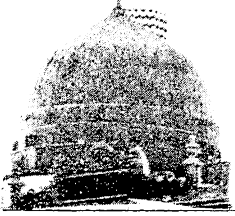
وہ ذات پاکؐ جس کی تشریف آوری کو اللہ تعالیٰ نے ہر ذرہ ذرہ کے لئے رحمت سے تعبیر فرمایا ہے، اور جس کی بعثت مبارکہ کا احسان جمیع مومنین پر تا ابد رکھا ہے اگر اس کی ولادت پُرسعادت پر خوشی نہ منائی جائے اور سالانہ اس کی محفل میلاد کا التزام نہ کیا جائے تو پھر کس کے لئے خوشی منائی جاسکے گی اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ و یحییٰ علیہم السلام کے یوم ولادت پر سلام بھیجا ہے تو کیا حضور صلعم کے یوم ولادت کی تقریب نہ منائی گئی یقیناً منائی ہے اور اس اہتمام سے کہ " **صلوعلیه وسلمو تسلیما** " کے تحائف حضور صلعم کی خدمتِ بابرکت میں ہر لمحہ پہونچ رہے ہیں اور اس کی تاکید بھی اہلِ ایمان کو کی گئی ہے کہ تم درود و سلام بھیجتے رہو اس میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ جو رسولؐ پر سلام و درود نہیں بھیجتا گویا وہ ایذا پہونچاتا ہے خدا و رسولؐ کو دیکھئے اس ایذا رسانی کی سزاء یہ ہے دنیا و آخرت میں اُس پر خدا کی طرف سے لعنت ہی لعنت ہے۔ گویا جو گستاخ عمداً سلام و درود کی پیش کش نہیں کرتا وہ قطعاً مستحقِ لعنت ہے۔ اور تحائف درود و سلام کے پیش کرنے والوں میں خود وہ ذاتِ مقدس و اعلیٰ بھی شامل ہے کہ جس کی عجوبہ کاری وہ نادرہ کاری نے ایک ایسی ستودہ صفات حقیقت کے ظہور سے ہم پر احسان فرمایا ہے کہ جس کے نمونہء مقدسہ پر یہ ساری کائنات اور تمام انسانیت ڈھلتی چلی جارہی ہے ہاں اس کے اظہارِ تعارف کے لئے بجز "محمدؐ" کے اور کوئی لفظ زبان پر بے ساختہ ایسا نہیں آتا ہے کہ فرطِ مسرت و جذبہء شوق و محبت سے لب خود ہی ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے جاتے ہوں۔ سبحان اللہ یہ نام ہی وہ ہے کہ جو اپنے تمام کمالات پر حاوی ہے۔ پس اس کی یاد اور تقریب ولادت کا سالانہ اہتمام کیا جائے تو کیا وہ عملِ خیر نہیں ہے، یقیناً ہے اور اسی پر ہمارا ایمان بھی ہے اور خود صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی تقریب ولادت کے یوم مبارک میں یعنی ہر دو شنبہ کو روزہ رکھنے کا التزام فرمایا تھا، چنانچہ ابو عبداللہ بن الحاج "مدخل" میں لکھتے ہیں :

هذا الشهر العظيم الذی فضل اللہ تعالی و فضلنا فیہ بهذالنبیٔ الکریم الذی من اللہ تعالی علینا فیہ سید الاولین والاخرین کان یحب ان یزاد فیہ من العبادۃ الخیر شکر اللمولی علی ماولا فابہ من ھذہ انعم العظیمۃ وقد اشار علیہ الصلوۃ السلام الی فضیلۃ ھذا الشھر العظیم بقولہ علیہ السلام الی فضیلۃ ھذا الشھر العظیم بقولہ علیہ السلام للسائل الذی سالہ عن صوم یوم اِثنین فقال لہ علیہ السلام ذالک یوم ولدت فیہ ھذا الیوم متضمن لتشریف ھذا الشھر۔

یعنی یہ مہینہ ربیع الاول مبارک کا ہے اللہ نے ہم پر احسان فرمایا ہے کہ اسمیں ایسا سیدالاولین والاخرین پیدا کیا ہے۔ جب یہ مہینہ آیا کرے ہمیں چاہیئے کہ بہت زیادہ نیکیاں اس مہینہ میں کیا کریں اور خود حضور صلعم نے بھی اس مہینہ کی فضلیت کی طرف اشارہ فرمایا کیوں کہ آپ پیر کے دن کا روزہ رکھا کرتے تھے جب کسی نے پوچھا کہ آپؐ روزہ کیوں رکھتے ہیں تو فرمایا کہ مَیں اس روز پیدا ہوا ہوں، پس اس سے اس ماہِ مبارک کی بزرگی اور عظمت ثابت ہے۔(ماخذ بدعتِ حسنہ)

اہتمام میلاد پر فقہاء علماء کا اتفاق

ذیل میں مجلس میلاد کے جواز کے تعلق سے مشاہیر و آئمہ، فقہاء اور علماء کی تصانیف سے ضروری اقتباسات پیش کئے گئے ہیں جن میں بعض نے احتیاطِ شرعی کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی اس تقریبِ سعید کو بہرحال جائز اور بدعتِ حسنہ ہی سے تعبیر کیا ہے۔

امام نووی استاد ابو شامہؒ فرماتے ہیں ومن احسن ما ابتدء فی زماننا ما یفعل کل عام فی الیوم الموافق مولدہ صلی اللہ من الصدقات واظہار الزینۃ والسرور الخ یعنی جشن میلاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک اچھی ایجاد ہے۔

امام ابن حجر محدثؒ فرماتے ہیں۔ و عمل المولد و اجتماع الناس لہ کذالک ای بدعتہ حسنہ کذا فی السیرۃ الحلبیہ یعنی جشن میلاد میں لوگوں کا اجتماع بدعت حسنہ ہے۔

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں یستحب لنا اظہار الشکر لمولدہ علیہ السلام

بالاجتماع والاطعام وغیر ذالک یعنی ہمارے لئے مستحب ہے محفل میلاد جلسہ عام اور طعام وغیرہ۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ میں مکہ معظمہ میں بارھویں ربیع الاول کو مولد شریف میں تھا۔ حضرت کے آثار و عجائب معاملات کا جو وقت ولادت ظاہر ہوئی تھیں بیان ہو رہا تھا میں اس میں شریک ہوا اس میں جو دیکھا انوارِ رحمت ظاہر تھے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ اسوقت مکہ مکرمہ میں جشن میلاد منایا جاتا تھا) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کسی صاحب کے استفسار پر لکھتے ہیں کہ "اس فقیر کے مکان پر سال بھر میں دو محفلیں ہوتی ہیں محرم کے دسویں دن یا ایک دو دن پہلے قریب ہزار آدمی آتے ہیں۔ فضائل حسین بیان کرتا ہوں بعد ختم کے پانچ آیتیں پڑھ کے جو کچھ پاس ہوتا ہے اس پر فاتحہ کر کے تقسیم کر دیا جاتا ہے اور بارھویں تاریخ ربیع الاول کے اسی قدر آدمی آتے ہیں، حال ولادت شریف و علیہ بین کر کے جو کچھ کھانا یا شیرینی ہوتی ہے اس پر فاتحہ دیکر تقسیم کر دی جاتی ہے علامہ ابن جرزی فرماتے ہیں لم یکن فی ذالک الارغام الشیطان و سرور اھل الایمان یعنی یہ محفل میلاد گویا تذلیل شاطین اور سرور اہلِ ایمان کے لئے ہوا کرتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں۔ دیگر درباب مولود خانی اندراج یافتہ در نفس قرآن خواندان بصورت حسن و در قصائد و نعت و منقبت خواندان چہ مضائقہ است (مکتوبات جلد سوم) (یعنی اس موقع پر قرآن کا پڑھنا اور قصائد و نعت و منقبت کا پڑھنا اس میں کچھ بھی برا نہیں)

قیام و سلام

زِ لافِ حمد و نعت اولیٰ ست برخاک ادب خفتن
سجودے می تواں کردن درودے می تواں گفتن

مندرجہ بالا آراء کی روشنی میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ میلاد ایک امر مستحسن ہے اب رہا یہ سوال کہ اس میں جو سلام و قیام ہوتا ہے۔ اس کا کیا مقام ہے تو اس تعلق سے یہ ہے کہ آدابِ مجلس کے بیان میں قرآن کہتا ہے۔ یا ایھا الذین امنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجلس فافسحوا یفسح اللہ لکم و اذا قیل انشز وافانشزوا یعنی اے ایمان والو جب تم کو کہا جائے کہ مجلسوں میں کھل کر بیٹھو تو کھل کر بیٹھا کرو۔ اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو۔ (۲۸ / ۲)

آیت صدر کی اتباع میں یہ بات واضح ہورہی ہے کہ مجلس میں نشست و قیام کے تقاضوا
حسب ضرورت پورا کیا جائے۔ پس اگر محفل میلاد میں حضور اکرم صلعم کی خدمت بابرکت میں
عرض کرنے کے تعلق سے ایستادہ ہوجائیں یہ جائز ہے چنانچہ ملا علیؒ قاری نے دست بستہ سلام ع
کرنے کو جائز لکھا ہے۔ اس لئے کہ اس میں استقبال قبلہ نہیں بلکہ استدبار ہے اور در مختار نے بھی ر
کو جائز اور بدعتِ حسنہ قرار دیا ہے جیسا کہ اِس میں لکھا ہے کہ التسلیم .... حدث فی
ربیع الاول سنه سبعات واحد لثمانین وھو بدعت حسنه اور کیوں نہ ہو
حضور صلعم بہ نفسِ نفیس اس محفل ذوق و شوق کی طرف توجہ فرماتے ہیں جیسا کہ حضرت مولانا ش
ولیؒ اللہ نے فیوض الحرمین میں تحریر فرمایا ہے کل ذی کبد یشتاق الی شی وتیوج
الیه بقصده و شوقه فاته لیتدنی الیه و رایته صلی الله علیه وسلم یعن
اس عبارت کا حاصل مضمون یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کا دل خوب کھلتا ہے خوشی سے اس کی طرف جو آپ
درود و سلام بھیجتا ہے جب کوئی مشتاق تعشق قلبی سے ہمت لگاتا ہے اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہے ت
آپ اس کی طرف اتر آتے ہیں سبحان الله و بحمده والحمدلله علی ذالک

"وصل اللہ علی نور کز وشد نور ہا پیدا
زمیں از حبِ او ساکن فلک در عشقِ اوشیدا"

قیام برائے تعظیم

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ ہم لوگوں کے ساتھ باتیں کیا کرتے تھے پھر
جب اٹھتے تو ہم لوگ سب اٹھ کھڑے ہوتے اور ٹھیرے رہتے یہاں تک کہ حضورؐ اندر تشریف لے
جاتے (ابو داؤد)

بخاری شریف میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت سعد بن معاذؓ کو بنی قریظہ پر طلب فرمایا اور
جب وہ آگئے تو آپ نے لوگوں سے فرمایا قُوْمُوا الی سَیِّدِکُمْ یعنی اپنے سردار کی آمد پر احتراماً
کھڑے ہوجاؤ۔

اس کے علاوہ احادیث سے حضرت عکرمہؓ اور حضرت جعفرؓ کے لئے خود حضور صلعم کا بہ
نفسِ نفیس قیام فرمانا بھی ثابت ہے۔ (بحوالہ مشکوٰۃ)

اسی بناء پر اُولی الامر اور قابل احترام شخصیتوں کے لئے اکرام و استقبال کے طور پر قیام کو جائز

بتایا گیا ہے چنانچہ حضرت امام مالکؒ، امام مسلمؒ، امام بخاریؒ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر آئمہ کرام بھی قیامِ تعظیمی کے جواز پر متفق ہیں۔

چنانچہ اسی لئے بہ اعتبار شریعت حسب ذیل مقامات پر قیام کو جائز قرار نہ دینے کا کوئی حکم نہیں ہے۔

(۱) باہر سے آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا۔
(۲) وضو کا بچا ہوا پانی پینے کے لئے تعظیماً کھڑا ہونا۔
(۳) آبِ زمزم کو کھڑا ہو کر پینا۔
(۴) عمامہ باندھنے کے لئے کھڑا ہونا۔
(۵) چلتے ہوئے شخص کا اذان سنتے وقت کھڑا رہنا۔
(۶) کبھی کھڑے ہوئے بھی ذکر کرنا۔
(۷) حضورؐ کی نعت و منقبت و تذکرہ پاک کے بیان کرنے کے لئے کھڑا ہونا۔
(۸) روضہء مبارک کے سامنے زیارت و سلام کے لئے کھڑا ہونا۔
(۹) کسی پیشوائے دین کی آمد پر احتراماً کھڑا ہونا۔

البتہ کسی شخص کا خود ہی اپنی تعظیم و اکرام کے لئے لوگوں کو قیام کا حکم دینا یا اس طرح کے قیام کو اپنے لئے پسند رکھنا یہ قطعاناً ناجائز اور منع ہے جیسا کہ حدیث معاویہؓ سے ظاہر ہے کہ جو شخص دوست رکھے اس بات کو کہ لوگ اس کے لئے کھڑے رہا کریں تو واجب ہے اس کے واسطے دوزخ۔ (مشکوٰۃ)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا حضور صلعم نے کہ جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ ہلاک ہوئے اسی وجہ سے کہ تعظیم کی انھوں نے بادشاہوں کی اس طور سے کھڑے رہتے تھے اور سلاطین بیٹھے رہتے تھے۔

اوپر کی احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ کسی کا از خود اپنی تعظیم کے لئے لوگوں کو آمادہ قیام کرنا ایسے قیامِ تعظیمی کو جیسے بادشاہوں کے سامنے کیا جاتا ہے لوگ دربار میں دستِ صف بستہ کھڑے رہتے ہیں اور بادشاہ اجلاس فرماتا ہے اس طرح کے قیام کو حضورؐ نے ناجائز قرار دیا ہے۔ اور اس کے قطع نظر باقی طرز قیام کا جواز اوپر کی ابتدائی احادیث سے قطعاً ثابت ہے جس کے لئے قرآن کی حسب

آیت پاک سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

یا یہا الذین امنو اذا قیل لکم تفسحوا فی المجٰلس فافسحوا یفسح اللہ لکم و اذا قیل انشزوا یہاں اس آیت میں آداب حقوق مجلس کی رعایت ملحوظ رکھنے کا صریح حکم ہے۔ پس اس سے کسی بھی محترم شخصیت کے لئے قیام قطعاً جائز ہے۔ ۱۸/۲

●

قصہ ءافک میں جب آیت براءت نازل ہوئی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اُنکی والدہ ماجدہ نے فرط مُسرّت میں کہا کہ
عائشہ! لو اس خوشی میں کھڑی ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرو۔ قومی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس واقعہ سے بھی ثابت ہوا کہ ذکر رسول میں قیام تعظیمی کو ملحوظ رکھا جاتا تھا یہاں تک کہ خود حضورؐ کی زوجہ محترمہ کو بھی ان کی والدہ ءمکرمہ نے لحاظ و تعظیم کی طرف توجہ دلائی یہ اور بات ہے کہ حضرت عائشہ نے چونکہ وہ بہت ملول و رنجیدہ تھیں آپؓ نے بطور ناز جو ایک شوہر کے ساتھ بیوی کو ہوتا ہے اپنی والدہ کے حکم کی عدم تعمیل کی۔

☆★☆★☆★

گر حمدِ خدا کا حق ادا کرنا ہے

دل سے اکبار "یا محمدؐ" کہئے

صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے روایت کی ہے کہ حضورؐ صلعم نے فرمایا کہ میری موت و حیات دونوں تمہارے لئے خیر اور بہتر ہیں کہ میرے پاس تمہارے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔۔۔۔۔ الخ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اپنی تفسیر عزیزی میں ویکون الرسول علیکم شہیدا میں لکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطلع است بہ نور نبوت بر رتبہ ء ہر مستدین بہ دین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ در روایات آمدہ ہر نبی را بر اعمالِ انتیان خود مطلع می سازند کہ فلانے چناں می کند و فلا نے چنان تا روز قیامت ادائی شہادت تواں کرد۔ نیز علامہ قسطلانی اور زرقانیؒ نے بھی روایت کی ہے عن سعیدؓ بن المسیب قال لیس من یوما لاتعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم **اعمال امته غدوة و هشية فيعرفهم لبيما هم اعمالهم و اعمالهم فلذالک يشهد عليهم يوم القيمته** حوالہ ہائے مذکور کا حاصل وہی مضمون حدیث ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے جس سے یہ ثابت ہوا کہ ہمارا ہر سلام اور ہماری ہر ندا کو اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلعم تک پہونچا دیتے ہیں جیسا کہ قرآن شاہد ہے " **عالم الغيب فلا يُظهر علي غيبه احدالا من ارتضي من رسول** "یعنی اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اپنی غیب کی بات ہر کسی پر ظاہر تو نہیں کرتا مگر جو پسند کرلیا کوئی رسول (سورہء جن)

نیز روزآنہ پانچ اوقات کی نماز کے قعدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مصلی عین حالتِ نماز میں " التحیات " پڑھ لینے کے بعد حضور صلعم کو " السلام علیک ایہا النبیؐ " سے مخاطب کرتا ہے جو امر حاضر کا صیغہ ہے اور اس عمل سے کسی کی نماز خراب نہیں ہوتی۔ چنانچہ علامہ قسطلانی و زرقانی وغیرہ نے لکھا ہے **و منها ان المصلی يخاطبه ، بقوله السلام عليک ايها النبی والصلوة صححته ولا يخاطب غيره-** یعنی مصلی " السلام علیک ایہاالنبی " سے مخاطبت کرتا ہے اور نماز بھی صحیح رہتی ہے ہاں دوسرے کو نماز میں مخاطب نہیں کرسکتا۔ چنانچہ فقہا کی متفقہ رائے یہی ہے

کہ " السلام علیک ایہاالنبیؐ " میں ارادہ تخاطب رکھے۔ پس جب حالتِ نماز میں تخاطب جائز ہو تو غیر نماز میں بھی تخاطب جائز ہوا جیسا کہ حضورؐ کے پردہ فرمانے کے بعد بعض صحابہؓ کرام کا اس پر عمل بھی رہا ہے چنانچہ کتاب شفا میں قاضی عیاضؒ نے روایت کی ہے کہ ایک بار حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کے پاؤں میں چیونٹیاں بھر گئیں کسی نے کہا ایسے آدمی کو یاد کرو جو تم کو بہت محبوب ہو تب حضرت عبداللہ بن عمرؓ پکار اٹھے "یا محمدؐ " اور اسی وقت پاؤں کا سن پن دور ہوگیا۔ اور کتاب فتوح الشام میں بھی ایک واقعہ درج ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بزمانہ خلافت حضرت عمرؓ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے قنسرین سے کعبؓ بن ضمرہ صحابی کو حلت کے لئے روانہ کیا کعب کا مقابلہ یوقنا سے تھا جس کے پاس دس ہزار فوج تھی اور اِدھر صرف ایک ہزار سپاہی، حق و باطل کی اس جنگ میں عالم اسباب کی بے سروسامانی نے حضرت کعبؓ کو بے چین کر دیا اور تڑپ کر پکار اٹھے "یا محمدؐ یا محمدؐ یا نصر اللہ انزل" پس صحابہؓ کے ان اعمال سے ہمارے لئے جواز خطاب ثابت ہوچکا کہ اُن کی اتباع میں جو بھی عمل ہو وہ قطعاً جائز ہے۔ جیسا کہ حدیث صلعم شاہد ہے اصحابی کا **النجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم** یعنی میرے صحابیؓ ستاروں کی طرح ہیں بس تم جن کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کا وہ تاریخی واقعہ جب کہ آپ نے عین حالت خطبہ میں " یا ساریۃ الجبل " کا نعرہ لگا کر اپنے تصرف سے ساریہؓ تک آواز پہونچادی تو کیا حضور صلعم کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ہماری آواز کو پاسکیں جب کے آپ کی روحانیت کے ادنیٰ پرتو سے کل نظام کائنات میں حرکت و حیات جاری ہے۔

●

گرچہ آفت دوراں شکستہ حال شوی

اماں طلب زجناب محمدِ عربی

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

انسان یا بشر

توحید الوہیت و رسالت کی تعلیمات کے ساتھ جب حضورؐ تشریف لائے اور جب آپ کی بعثت سارے عالم انسانیت کے لئے موجب ہدایت ہوئی تھی تو بعض مافوق بشر تصور کے حامل انسانوں کی سمجھ میں نہ آسکا وہ تو یہ دیکھ رہے تھے کہ ایک ان جیسا انسان کہ جس کے سلسلہ ءِ نسب سے وہ اچھی طرح واقف تھے کس طرح اب ان کی رہنمائی کے فرائض انجام دے رہا ہے جس نے کل تک بکریاں چرائیں، تجارت بھی کی اور جوائج بھی جنس بشریت کے مکمل لوزامات کا حامل ہے چنانچہ وہ حیرت سے پوچھے!

مالِھٰذا الرسول یاکُل الطعَام و یمشی فی الاسواق یعنی یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا اور بازاروں میں گھومتا ہے وہ سمجھتے تھے کہ کوئی مافوق بشر ہی رسول ہونا چاہئے مگر اللہ نے جن کو نبی و رسولؐ بنایا وہ سب حقیقتاً مافوق بشر ہی تھے لیکن جنسی میلان کا تقاضا یہی تھا کہ نسانوں کی طرح آنے والا رسولؐ بھی انسان ہو کوئی فرشتہ نہ ہو اور فرشتوں کے لئے جو رسول ہو وہ رشتہ ہی ہو۔ انسان نہ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قل لو کان فی الارض ملائکۃ یمشون مطمئنین نزلنا علیھم ملکا رُسلا ۔

یعنی آپ کہدیں کہ اگر زمین پر فرشتے ہوتے اور وہ زمین پر ٹھیک سے زندگی گذارتے تو ہم ان کے لئے فرشتے ہی کو رسول بنا کر اتارتے۔

پس اسی آیت سے واضح ہے کہ نفسِ رسالتؐ کی حقیقت ہی کچھ اور ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا۔ **واللہ اَعلَمُ حیث یجعل رسَالتہ** یعنے یہ اللہ ہی بخوبی جانتا ہے کہ رسالت کس طرح گردانی جاتی ہے اصل میں اللہ نے جو حضورؐ کو فرمایا **قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی۔**

آپؐ کہدیں کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں۔ لیکن ہے یہ کہ مجھ پر وحی آتی ہے اس آیت کا تخاطب اہلِ کفر و شرک سے ہے مطلب یہ ہے کہ اگرچہ حضورؐ مثلیت میں بشر ہیں مگر یوحی الی کی وجہ سے حضورؐ کی بشریت بے مثل ہے۔ اس سے ہٹ کر بھی آیت بالا سے ظاہر ہے کہ حضورؐ انسان جیسے ہیں مگر کوئی انسان یا بشر حضورؐ جیسا نہیں گویا حضورؐ کی بے مثلیت کھلی اور اٹل ہے تب ہی تو فرمایا

جارہا ہے۔ " ایکم مثلی "۔ یعنی تم میں کون سے جو میری طرح ہو، صاحبانِ اسرار و رموز کے نزدیک مثلیتِ بشریت کی ایک علّت یہ بھی ہے کہ لوگ حضورؐ سے مانوس ہوکر دین و ہدایت کی طرف مائل ہوں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ **الجنس الی الجنس** ، جنس کو جنس ہی کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے اندر اثر پذیری کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کہتے ہیں کہ " لوگ حضورؐ کو اپنے اوپر قیاس کرلیتے ہیں حالانکہ حضورؐ کی شان یہ ہے۔ بشر لا کا بشر ولکن کالیا قوت بین الحجر

یعنے حضورؐ بشر تو ہیں مگر اور انسانوں کے مانند نہیں اب اگر کوئی محض اشتراک جنس کی وجہ سے یاقوت کو اور پتھروں پر قیاس کرنے لگے تو اس سے یوں ہی کہا جائے گا کہ تیری عقل پر پڑیں پتھر، لہذا محض انسان سمجھ کر حضورؐ کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ "

(الابقاص ۲۶ شعبان ۵۴)

●

کسی شاعر نے کہا ہے ؎

نگاہِ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
اک آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

شانِ رحمانیت چاہتی تھی کہ فیضانِ محمدیؐ سے دور بھاگنے والے رحمتِ محمدیہؐ سے محروم نہ رہیں اس لئے بشریتِ رسالت کو جنس آدمیت میں سمو دیا تاکہ یہ سبب تانس جوارِ رسولؐ سے مستفیض ہوسکیں۔ ورنہ آں حضورؐ تو صرف رسول ہی رسول ہیں۔ " **وما محمد الا رسول** " اور یہ مرسل کے نہیں خود مرسِل کے الفاظ ہیں۔

☆★☆★☆★

بھائی یا باپ نہیں۔

محض اس بات پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شانِ شفقت ان لوگوں کو جو حضورؐ کو بغیر دیکھے ایمان لائے اور حضورؐ نے انھیں اپنا بھائی فرمایا۔

چند سُست عقیدہ افراد نے خود کو حضورؐ کا بھائی سمجھ لیا۔ اگر ان کے اندر واقعتہً بھائی کے لفظ کی قدر و منزلت ہوتی تو حضورؐ پر ہزار جان قربان ہو جاتے مگر ہے یہ کہ حضورؐ نے ان کو کب بھائی کہا ہے بھائی تو وہ ہوئے جو حضورؐ کو بغیر دیکھے ایمان لائے اور یہ مدعیانِ اُخوّت تو مسلم باپ دادوں کی صلب کے وہ اچھلتے قطرے ہیں جو بعد میں خطرناک ہوگئے جن کا دین محض آبائی و رسمی ہے۔

اور حضور تو ان کو بھائی فرمارہے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک پر بے دیکھے ایمان لائے جیسا کہ موجودہ دور کی مشہور تصنیف "ترجمان السنہ" میں مولانا بدرِ عالم صاحبؒ میرٹھی نے حدیث بیان کی ہے۔

"انس بن مالکؓ" بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمنا ہے کہ میں اپنے بھائیوں سے ملتا۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہم بھی تو آپ کے خادم اور اسلامی بھائی ہیں آپؐ نے فرمایا تم تو میرے صحابہؓ ہو اور بھائی وہ لوگ ہیں جو دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لائیں گے۔(احمدؒ)

یعنے تمہیں تو اخوت کے ساتھ میری صحبت کا شرف بھی حاصل ہے اور اس وقت بھائی سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو مجھ پر آئندہ ایمان لائیں گے انھیں رشتہ ایمانی کی وجہ صرف اخوت تو حاصل ہوگی مگر شرف صحبت نصیب نہ ہوگا۔

(بحوالہ کتاب مذکورہ جلد دوم ص ۸)

یہ الفاظ تو حضورؐ نے ازراہِ بندہ نوازی و سرفرازی بطورِ انعام اپنے ان غلاموں کو عطا فرمائے ہیں جو حقیقتہً حضورؐ کو بے دیکھے ایمان لائے رسمی یا آبائی حیثیت میں نہیں جیسے حضرت اویسؓ قرنی کا ایمان تھا۔

لیکن اس کے باوجود آدابِ رسالتؐ کا تقاضا تو یہی ہے کہ حضورؐ خواہ کچھ بھی نوازشاً فرمائیں ایک بندہ مسلم کا کام تو یہی ہے کہ

"ایاز قدرِ خودرا بشناس" کو نہ بھُولے

حضرت عمرؓ کو بھی حضورؐ نے ایکبار بھائی فرمایا اور حضرت علیؓ تو چچا زاد بھائی ہی تھے لیکن اس کے باوجود یہ دونوں کسی موقعہ میں فرماتے ہیں

اَنا عبدُ مِن عُبید محمدٍ. كُنتُ عبدُہ و خادمُہ

(میں بندہ ہوں محمد صلعم کا) (میں بندہ اور انکا خادم ہوں)

بھائی کے لفظ میں تو ایک طرح کی مساوات ہے مگر باپ کے لفظ میں باوجودیکہ تفوق بڑائی اور عظمت و رتبہ کا اظہار لیکن اس لفظ کو بھی جب کہ آنحضورؐ کی ازواجِ مطہرات کو اللہ نے مومنین کی مائیں قرار دیا۔ حضورؐ کے تعلق سے پس یہی فرمایا گیا کہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیا ہیں۔

ماكان مُحمد اَبا اَحدٍ من رَجالكم ولكن رَسول اِللّٰه و خاتم النبيين وكان الله بِكُل شئى عليماه (احزاب)

اگر دل میں ذرا بھی پاسِ آدابِ رسولؐ ہے تو انشاءاللہ ذہن و فکرِ انسانی میں ایسا کوئی تصور پل نہ سکے گا۔

ازل کے غلام ابد تک وہ آقا

●

حقوق النبی صلی اللہ علیہ وسلم

امام ابن تیمیہ نے الصارم المسلول میں لکھا ہے **الاٰيمان وان كان اصله تصديق القلب فذالك لا بدان يوجب حالا فى القلب و عملا له وهو تعظيم الرسول و اجلاله و محبته و ذلك امر لازم كالتالم والتنعم عندالاحساس بالمولم المنعم** یعنی اگرچہ کہ ایمان کا اصل تصدیق قلبی ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی ضرور ہے کہ دل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور اجلال اور محبت پیدا ہو اور یہ امر لازمی ہے جس طرح کوئی دکھ دینے والی چیز کے احساس سے درد اور لذت دار چیز کے احساس سے لذت پیدا ہوتی ہے۔

وقال ايضا فيه ان الله سبحانه اَوجَب نبينا صلى الله عليه وسلم على القلب واللسان والجوارح حقوقا زائدة على مجرد التصديق بنوته كما اوجب سبحانَہٗ على خلقت من العبادات على

القلب واللسان والجوارح امور زائدة على مجرد التصديق به سبحانه و حرم سبحانه لحرمة رسول ما يباح ان يفعل مع غير لا امور را زائدة على مجرد التكذيب بينوته ومن حقه ان يكون احب الى المومنين من نفسه و ولده و جميع الخلق كما دل على ذالک قوله سبحانه قل ان كان اباؤ كم و ابناؤكم و اخوانكم و ازواجكم و عيشر تكم و اموال اقتر فتمو ها و متجارة تخشون كسادها و مساكن تر ضونها احب اليكم من الله و رسوله

یعنی ابن تیمیہؒ نے "صارم مسلول" میں یہ لکھا ہے کہ جس طرح خدائے تعالیٰ نے علاوہ مجرد تصدیق کے اپنی عبادت لوگوں کے دلوں اور زبانوں اور جوارح پر مقرر کی ہے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق لوگوں کے دلوں اور زبانوں اور جوارح پر مقرر کئے ہیں جو علاوہ تصدیق نبوت کے ہیں اور کئی امور ایسے جو دوسروں کے ساتھ جائز ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کی وجہ سے وہ حرام کردئے گئے جس طرح تکذیب آپ کی حرام ہے منجملہ اور حقوق کے ایک حق آپ کا یہ ہے کہ آپ کی محبت اپنی جان اور اولاد اور جمیع خلق سے زیادہ ہونی چاہیئے جیسا کہ قرآن شریف سے ثابت ہے۔

ابن تیمیہؒ نے الصارم المسلوم میں لکھا ہے **ان الله فرض علينا تعزير رسوله و توقيره نصره و منعه و توقيره و اجلاله و تعظيمه** یعنی حق تعالیٰ نے ہم پر رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر فرض کی ہے اور نیز ابن تیمیہؒ نے اس میں لکھا ہے۔ **فقيام المدحة والثناء عليه والتعظيم والتوقير له قيام الدين كله و سقوط ذالک سقوط الدين كله** یعنی مدح و ثناء و تعظیم و توقیر آنحضرت صلعم کی کرنا دین کو قائم کرنا ہے اور اس کو ساقط کردینا دین کو ساقط کردینا الحاصل جس طرح محبت آنحضرت صلعم کی واجب ہے اسی طرح حضرتؐ کی تعظیم و توقیر و مدح و ثناء واجب بلکہ فرض ہے۔

ماخوذ از مقاصد الاسلام مصنفہ حضرت مولانا انوار اللہ شاہ صاحبؒ (بانی جامعہ نظامیہ، حیدرآباد)

اُف یہ گستاخی

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک میں ایسا کوئی لفظ جس میں ذرا بھی شائبہ بے ادبی اگر بالعمد ہے تو وہ کفر، اور سہواً ہے تو موجبِ فسق و عصیان جس طرح بعض منافقوں سے دل کا چور چھپ نہیں سکا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "راعنا" کے الفاظ سے مخاطب کرنا شروع کیا، اور تقلید میں بعض مسلمانوں نے بھی ایسا ہی تخاطب حضورؐ سے رکھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو ناپسند فرمایا اور مسلمانوں کو منع فرماتے ہوئے آنحضورؐ کے ساتھ تخاطب کے آداب سکھائے۔ آج کے بعض علماء نے بھی سادہ لوحی سے اپنی تصانیف میں آدابِ رسالت کو ملحوظ نہیں رکھا لیکن خطا، خطا ہے چاہے وہ کسی سے سرزد ہو۔ ذیل میں تقریباً (۵۰) سال قبل کی ایسی ہی بعض تصانیف کے حوالے اور ان کے جواب درج ہیں۔

اُنظر اِلیٰ ما قالَ وَلا تنظُر الیٰ مَنْ قال کے تحت ہمارا مسلک تردید بیان ہے ردِ شخصیت نہیں۔

گستاخی

"انبیاء اپنی امت سے ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہوجاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔" (تحذیر الناس مصنفہ، مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند)

الجواب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کرام کے کے تعلق سے جو فرمایا ہے اس کا مطلب ہے کہ اگر کوئی اُحد کے پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو وہ کسی صحابیؓ کی معمولی خیرات کو نہیں پہونچ سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بہترین امت بھی فرمایا ہے جن کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کا نمبر آتا ہے، افراد امت میں بہ اعتبار فضیلت اس قدر ترتیبِ زمانی کے بعد شاید کوئی نیم پاگل ہی ہوگا۔ جو اپنے اعمال کے لئے مساوات کے درجے تلاش کرتا پھرے۔

مگر جراءت و جسارت کی انتہاء یہ ہے کہ قرونِ ثلاثہ تو کہاں خود انبیاءؑ کے ساتھ بھی اعمال میں برابری بلکہ ان سے آگے بڑھ جانے کا تصور پر تولنے لگا ہے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

گستاخی

"غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضورؐ کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علمِ غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی (بچہ) و مجنون (پاگل) بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔"

(حفظ الایمان مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی)

الجواب

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک میں علم غیب کا اثباتِ ظاہر بشریت کے فریب مساوات نے گوارا ہونے نہ دیا۔ اور بادلِ ناخواستہ اظہار علم غیب پر جو لکھا بھی تو محسن انسانیت اور رحمت عالم کے علم غیب کے لئے نعوذ و باللہ مجنون، پاگل اور حیوانات وبہائم کے علم کو معیار بنا کر۔ حالانکہ اللہ نے آپ کے علم غیب پر قرآنی شہادت دی اور فرمایا۔

علمک مالم تکن تعلم

یعنے جو علم خارج از امکان بشری تھا وہ بھی آپ کو عطا کیا گیا معلمِ حقیقی نے جہاں آپ کے انتہائے علم کی توثیق و تصدیق فرمادی وہاں اب کیا محل ہے کہ لب کشائی کی جائے۔

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

گستاخی

"ہر چھوٹا بڑا مخلوق (نبی اور غیر نبی) اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔"

(تقویت الایمان از اسمعیل صاحب)

الجواب

یہاں انبیاءؑ کی طرف اشارہ برائے نام ہے، مقصود صرف آنحضورؐ ہی ہیں جو سب پر صاحب فضلیت ہیں یہاں اُسی ذات کے ساتھ گستاخی کی جارہی ہے جب کہ اللہ نے عزت و بلندی کو نہ صرف اپنے لئے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وصلعم اور آپ کی نسبت سے سارے مومنین کے لئے مخصوص فرمایا۔ اللہ نے حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کے تعلق سے فرمایا۔

وكان عنداللہ وجیہا

(اور موسیٰ کا اللہ کے پاس بڑی عزت کا مرتبہ ہے)

اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں بھی فرشتوں کی زبان سے کہلوایا گیا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں صاحب وجاہت نبی ہیں۔

وجیہاً فی الدنیا والاخرۃ و من المقربین

حضرت عیسیٰؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے حضورؐ نے فرمایا کہ "اگر موسیٰؑ زندہ ہوتے تو سوائے اس کے چارہ نہ تھا کہ وہ میری پیروی کرتے۔"

خدا کے نزدیک وجاہت رکھنے والے جب ایسے ایسے انبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوسکتے ہیں تو پھر خود حضورؐ کی عظمت و بلندی خدا کے نزدیک کیسے نہ ہوگی جن کا مقام تو خدا کی دونوں آنکھوں میں ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے۔

فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا

(اے محمد صلعم آپ ہماری دونوں میں آنکھوں میں ہیں)

ہاں! جو خدا ہی کی آنکھوں میں رہتا ہو اس کی عظمت و رفعت کو اپنی سطح سے دیکھنے والوں کی نگاہیں کہاں پہونچ سکتی ہیں؟

چہ نسبتِ خاک را با عالم پاک

اللہ نے اسی لئے تو حضورؐ کو مخاطب کرکے فرمایا:

تراھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون ہ

یعنی آپؐ سمجھ رہے ہیں کہ وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ آپ کو قطعاً نہیں دیکھتے

ابو جہل اشد اندھا کہاں دیکھا محمدؐ کو

جو صدیقوں نے دیکھی ہے وہ صورت مصطفیٰ کی ہے

حقیقت یہ ہے کہ ظرف سے وہی چھلکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے۔

کُل اِناء یترشح بمافیہ

گستاخی

"اور شیخ یا اسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جنابِ رسالت مآب ہی ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ برا ہے۔ (صراط مستقیم از اسمٰعیل صاحب)

الجواب

کیا کوئی حقیقی مسلمان اس تحریر کو گوارا کر سکتا ہے۔ مانا کہ اس تحریر سے مقصود کچھ اور ہو لیکن طرز ادا کی جراءت مندانہ گستاخی کچھ اور ہی چغلی کھا رہی ہے اور کس قدر افسوس ہے کہ نماز میں اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ کا تصور آجائے تو وہ نعوذ باللہ حاکم بدہن بیل اور گدھے کے تصور سے زیادہ برا سمجھا جارہا ہے۔

حالانکہ قعدۂ نماز میں راست طور پر بارگاہ نبویؐ میں بھی سلام پیش کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی تصور تو کیا تحضر بھی ایک صاحبِ ذوق نمازی کے لئے ضروری ہوجاتا ہے۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ

"تم اپنے قلب میں حضوری کا تصوّر رکھو اور تب کہو

السلام عَلیکَ اَیھُّا لنبی و رحمته الله بر کاته

(احیاء العلوم جلد اول بابِ چہارم)

بموجب حدیث احسان کَاَنَّکَ تَرَاہُ کا نتیجہ دید بازی کے سواء اور کیا ہے پھر اگر ایسے میں بقوت پیش کشی سلام اگر ادراک و استحضار کی کیفیت پیدا ہوجائے تو کیا عجب کہ بہ اعتبار حدیث شریف۔ **لا صلوۃ الا بحضور القلب**

حضورِ قلب کے ساتھ نماز ہوجائے۔

شفاعت

لغت میں شفاعت کا مطلب یہ ہے کہ شفیع اپنی عزت و منزلت اور تقرب کو کام میں لاکر کسی حاکم کو اس کے ارادہ کے برخلاف مشفوع " لـــہ " (وہ شخص جس کے لئے سفارش کی جائے) کے بارے میں کسی کام کے کرنے یا کسی کام کے چھوڑنے پر آمادہ کرے)

(بحوالہ قاموس القرآن)

شفاعۃ کا خصوصی تعلق تو اس دن سے ہے جسے یوم الساعۃ یا روز قیامت کہا گیا ہے اور جس دن کوئی کسے کے کام نہ آسکے گا ، سب کو اپنی ، اپنی ہی پڑی ہوگی خود انبیاء علیہم السلام کو بھی مجالِ سخن نہ ہوگی بس ایک قہار وجبار ہی ہوگا جس کا غضب و جلال اپنے پورے کمال پر ہوگا۔

احادیث میں ہے کہ روز محشر سارے لوگ اولاً حضرت آدمؑ سے رجوع ہوں گے اور پھر حضرت نوحؑ حضرت ابراہیم حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے پاس یکے بعد دیگرے پہونچتے ہوئے آخر میں سب کے سب حضور رحمۃ اللعالمینؐ کی بارگاہ رافت میں پہونچیں گے اور حضورؐ اپنی شفقت و رحمت سے امت کی شفاعت فرمائیں گے۔

یہ بات نہیں کہ اس دن کوئی شفاعت ہی نہیں کرے گا بلکہ وہی دن ہوگا۔ جس دن گنہگارانِ امت کے لئے سفارش ہوگی قرآن خود کہتا ہے۔

یومئذ لا تنفع اشفاعۃ الا مَنْ اذن لـــہ الرحمن و رضی لہ قولہ

یعنے اس دن کسی کی شفاعت فائدہ بخش نہ ہوگی مگر جسے رحمن اجازت دے وہ اس کا کہنا پسند فرمائے۔

انتخاب ماذون کے لئے رحمن اپنی اسی مرحوم کی طرف متوجہ ہوگا جو اس کی رحمت تامہ کا مظہر اتم ہوگا اور زبانِ الوہیت نے جس کے تعلق سے فرمایا :

وما ارسلنک الا رحمتہ للعالمین

یعنی تنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جو سارے جہانوں کے لئے رحمت ہیں اور جو

من ذالذی یشفع عندہ الابا ذنہ یعنی کون ہے جو خدا کی بارگاہ میں بلا اذن سفارش کرسکے ہوگا کا پیکر تمام ہو۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو میں ہی بلا فخر سب انبیاء کا امام خطیب اور ان کا شفیع ہونگا (مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ہر نبی کی ایک ایک دعائے مستجاب ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی دعائے مستجاب کو آخرت میں اپنی امت کی شفاعت کے لئے رہنے دوں۔
(تجرید البخاری)

قرآن کریم سے اجازت شفاعت کا دیا جانا ثابت ہے اور جسے سب سے پہلے اجازتِ شفاعت ہوگی زبانِ رسالت سے ظاہر ہے کہ وہ حضورؐ ہی ہوں گے۔

شفاعت و سفارش کا مطلب ہی یہ ہے کہ اگر انسان کافر و مشرک نہیں ہے تو شفاعت محمدیہؐ کی وجہ سے بخش دیا جائے گا۔ اور شفاعت کا ہونا یقینی ہے جس کا ثبوت سطور بالا میں مندرجہ آیات سے واضح ہے۔

رہی یہ بات کہ حضورؐ ہی کو اذنِ شفاعت ہوگا؟ تو اس کا جواب بھی قرآن ہی سے مل جاتا ہے۔

وَلَوْاَنَّھُمْ اِذْ ظَلَمُوْا انفسهم جاوک فاستغفروالله واستغفر لهم الرسول لوجد والله توّابا رحیما ہ (٦/٥)

(اگر وہ لوگ جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے آپ کے پاس آتے اور خدا سے مغفرت چاہتے اور رسولؐ نے بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کی تو یقیناً وہ خدا کو تواب اور رحیم پاتے)

اس آیت پاک سے کھلے طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ حضورؐ کی دعائے مغفرت کے بغیر استغفار ذنوب بیکار ہے۔

اور اس آیت میں ایک بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ حضورؐ اگر چاہیں تو بخشش آخرت کے لئے سائلین کے حق میں دعائے مغفرت فرمادیں" گویا سارا انحصار حضورؐ کی مرضیٔ مبارک پر رکھ دیا گیا مگر حضورؐ نہیں چاہتے کہ جس کے دل میں توحید و رسالت کا ذرا بھی عقیدہ ہو۔ وہ بخشا نہ جائے یہ اسی لئے ہے کہ صفتِ رحمت حضورؐ کی طبیعت خاصہّ ہے جنھیں اللہ نے رحمۃ للعالمین کہا ہے جس کا موصوف خود ذاتِ رحمان ہے اس لئے شفاعت ضروری ہی ہوئی تاکہ بہ واسطہ اذن و اجازت صفتِ رحمان کا ظہور ہو۔

ضرورت و اہمیت شفاعت کو اگر کوئی صرف اپنے ہی زعم اور حسنِ اعمال کے گھمنڈ میں پس پشت ڈال دے اور واسطہ محمدیؐ کی پرواہ نہ کرے تو یہ کبھی بھی نہ ہوسکے گا کہ وہ بخش دیا جائے۔

رسالہ التشرف میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے لکھا ہے!

"پس خوب سمجھ لو کہ بغیر حضور صلعم کے تعلق کے نجات ہرگز نہیں ہوسکتی۔"

"ایک فلسفی کی بابت ایک شخص نے خواب دیکھا تھا۔ میں اس فلسفی کا نام بتلانا نہیں چاہتا خواہ مخواہ کے ایک مسلمان سے بدگمانی ہوجائے گی۔ مگر اس شخص کے خیالات فلسفیانہ تھے، گو ظاہر میں وہ مسلمان کہلاتا تھا۔ خواب یہ تھا کہ ایک شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی تو اس نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ حضورؐ! فلاں شخص کا کیا حال ہے آپؐ نے فرمایا کہ وہ بدوں میرے توسط کے جنت میں جانا چاہتا تھا اور جنت کے قریب بھی پہونچ گیا تھا مگر میں نے ہاتھ پکڑ کر جہنم میں پھینکدیا کہ دور ہو کمبخت، جنت میں بغیر میرے تعلق کے کوئی جا نہیں سکتا۔"

غرض آپ امت کے لئے واسطہ فی العروض ہیں تمام کمالات و فیوض میں۔ بدوں آپ کے واسطے کے کوئی شخص بھی کمالات بلکہ ایمان سے بھی موصوف نہیں ہوسکتا اسی کو حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

چند از سعدی کہ راہ وفا	تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ
خلاف پیمبر کسے رہ گزید	کہ ہر گز بمنزل نخواہد رسید

پس یہ مسئلہ متحقق ہوگیا کہ حضورؐ امت کے لئے واسطہ فی العروض ہیں اور امتی کے اندر اس وقت کچھ فیوض و برکات ہیں جب تک کہ حضور سے تعلق توسط ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔"

وسیلہ (Source)

امام ابو سعید سلمی حنفیؒ نے شرح برزخ میں لکھا ہے کہ وسیلہ مانگنا اولیاء انبیاء شہداء اور صالحین سے جائز ہے اور یہ ثابت ہے قرآن، حدیث، اجماع اور اقوالِ علماء و عرفا سے۔

ابن ماجہ قزدینی باب صلوٰۃ الحاجت میں روایت کرتے ہیں عثمانؓ بن حنیف انصاری صحابیؓ سے کہ ایک آندھا آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہ میری آنکھوں کے لئے دعا کیجئے آپؐ نے فرمایا اگر تو چاہئے اسی طرح رہنے دے یہ تجھکو اچھا ہے اور اگر چاہے دعا کرانا تو دعا کروں اس نے کہا دعا فرمایئے آپ نے فرمایا اچھی طرح وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھو اور پھر یہ پڑھو۔ **اللھم انی اسئلک و اتوجہ الیک نبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فی حاجتی ھذا الیقفی اللھم فشفعہ فی حاجتی لتقضی لی** یعنی اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں اور متوجہ ہوں تیری طرف نبیؐ

رحمت محمدؐ کے واسطے سے یا محمدؐ میں بے شک متوجہ ہوں آپ کے واسطہ سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں تاکہ میری حاجت روائی ہوجائے ۔ اے اللہ میری حاجت کے معاملہ میں ان کی سفارش قبول فرمایئے تاکہ میرا مقصد بر آجائے ۔

طبرانیؒ نے معجم کبیر میں روایت کی ہے کہ ایک شخص کو حضرت عثمانؓ بن عفان سے کوئی ضرورت وابستہ تھی وہ بار ہا جاتا لیکن حضرت عثمانؓ اس کی طرف ملتفت نہ ہوتے اس شخص نے عثمانؓ بن حنیف انصاری صحابی سے شکایت کی عثمانؓ بن حنیف نے کہا کہ وضو کر کے مسجد میں آؤ اور دو رکعت پڑھ کر پھر یہ دعا کرو " **اللھم انی اسئلک و اتوجه الیک** ۔۔۔ الخ اور اس کے بعد اپنی حاجت اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کردو ۔ اس شخص نے عثمانؓ بن حنیف کے بتائے ہوئے طریقہ پر وضو و نماز کے بعد جس طرح دعا بتائی گئی تھی پڑھی اور اس کے بعد حضرت عثمانؓ بن عفان کے پاس حاضر ہوا حضرت عثمانؓ نے اسے قریب بٹھایا اور اس کی حاجت دریافت فرمائی اور کہا کہ جب کبھی تمہیں ضرورت درپیش ہو مجھ سے بیان کردینا ۔ وہ شخص ہشاش بشاش حضرت عثمانؓ کے پاس سے سیدھے عثمانؓ بن حنیف کے پاس آیا تاکہ اُن کا شکریہ ادا کردے اس نے کہا " جزاک اللہ " شاید تم نے میری سفارش عثمانؓ سے کردی تھی ورنہ حضرت عثمانؓ کبھی میری طرف توجہ نہ کرتے ۔ عثمانؓ بن حنیف نے جواب دیا کہ بخدا میں نے حضرت عثمانؓ سے کچھ نہیں کہا اصل بات یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلعم کے پاس حاضر تھا ایک اندھا آیا اُس نے فریاد کی یا رسول اللہ میری آنکھ جاتی رہی آپ نے فرمایا صبر کرو ، بولا کوئی میرا ہاتھ یا لاٹھی پکڑ کر لے جانے والا نہیں مجھ پر بڑی مصیبت ہے تب حضور صلعم نے یہ نماز اور یہ دعا اس کو ارشاد فرمائی تھی ۔ **اللھم انی اسئلک** ۔۔۔ الخ ۔

امام جرزیؒ نے کتاب حصن حصین میں لکھا ہے کہ جس کسی کو ضرورت درپیش ہو نماز حاجت پڑھ کر یہ دعاء پڑھے ۔ **اللھم انی اسئلک** ۔۔۔ الخ چنانچہ کتب فقہ حنفیہ میں بھی یہ دعا پڑھنے کی اجازت دی گئی ۔

جواز استعانت اور قرآنی استدلال پارہ (۵) نساء کے رکوع ۶ میں ارشاد ہے **ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفرو اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدُ واللہ توابا رحیما** یعنی جب انھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا تو تمہارے پاس آتے اور خدا سے معافی مانگتے اور رسول ان کی معافی چاہتے تو دیکھ لیتے کہ اللہ ان کی توبہ کو بڑی ہی مہربانی سے قبول فرمالیتا ۔ اسناد مدرجہ صدر کے بعد یہ بات اب حد ایقان کو پہونچ گئی کہ ضرورت و حاجت میں نہ صرف نبی صلعم سے

بلکہ کسی محبوبِ خدا اور ولی برحق سے بھی اس کے پردہ کرجانے کے بعد یا اس کے حینِ حیات استعانت و استمداد کی جاسکتی ہے چنانچہ اشرف علی تھانوی کی کتاب التکشف میں بعنوان توسل لکھا ہے حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب قحط ہوتا تو حضرت عباسؓ کے توسل سے دعائے باراں کرتے اور کہتے کہ اے اللہ ہم اپنے پیغمبرؐ کے ذریعہ سے آپ کے حضورؐ میں توسل کیا کرتے تھے آپ ہم کو بارش عنایت کرتے تھے اور اب اپنے نبیؐ کے چچا کے ذریعہ سے آپ کے حضورؐ میں توسل کرتے ہیں سو ہم کو بارش عنایت کیجئے تو بارش ہوجاتی تھی روایت کیا اس کو بخاری نے مشکوٰۃ ص ۲۴ ف مثل حدیث بالا (یعنی اوپر بھی ایک حدیث بیان کی گئی ہے) اس سے بھی توسل کا جواز ثابت ہے اور نبی صلعم کے ساتھ جو تو جواز توسل ظاہر تھا۔ حضرت عمرؓ کو اس قول سے یہ بتلانا تھا کہ غیر انبیاءؑ سے بھی توسل جائز ہے تو اس سے بعض کا سمجھنا کہ احیاء و اموات کا حکم متفاوت ہے بلا دلیل ہے اول تو آپؐ بہ نص حدیث قبر میں زندہ ہیں اور دوسرے جو علتِ جواز کی ہے جب وہ مشترک ہے تو حکم کیوں مشترک نہ ہوگا۔

- حضورؐ کے پردہ فرما جانے کے بعد ایک بار جب شدید قحط ہوا تو لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے آکر عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ روضہء مبارک کی چھت اوپر سے اتنا کھولدو کہ آسمان نظر آنے لگے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا تو بارش اس قدر ہوئی کہ ہر طرف سبزہ زار ہوگیا، یہ بھی حضورؐ سے توسل کا ایک طریقہ ہوا دنیا تو دنیا آخرت کے لئے بھی حضور ہم سب کے لئے وسیلہ ہیں۔؎

اگر نام محمدؐ را نہ آور دے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ، نہ نوح از عرق نجینا"

•

جنابِ رحمتِ عالم کی رحمت کا وسیلہ ہے
خدا جن پر ہے شیدا ان کی الفت کا وسیلہ ہے
(طیبات غوثی)

☆★☆★☆★☆★

حرف تشکر
و
دعا ہائے خیر

کتاب ہذا کی طباعت و اشاعت کے سلسلہ میں بعض احباب نے اپنی حسب ہمت رقمی تعاون کیا اور بعض نے بعد طباعت پیش کش کا تیقن دیا ہے۔

یہاں ان تمام احباب کے اسمائے گرامی مع صراحت مقام درج کئے جاتے ہیں ساتھ ہی ان سب کے لئے از دیاد عمر، ترقی کاروبار اور خیر و برکت کے لئے دعا کی جاتی ہے خصوصاً جناب علیم محی الدین (ابن مولانا سلطان محی الدین صاحب) و جناب کے بھاسکر (مقیم منجریاں) اور محمد مبین (ابن جناب محمد نعیم صاحب) کے لئے

من جاء بالحسنته فله عشر امثالها

" یعنی جس نے کوئی خیر کیا اسے اس کا دس گنا بدل دیا جائے گا کے بمصدق مولا تعالیٰ ہمارے معاونینِ کتاب کو بہترین جزاء عطا فرمائیں ۔۔۔ فقط

" ناشر "

بار دوم
مورخہ ۴/ شوال ۱۴۱۹ھ م ۲۳/ جنوری ۱۹۹۹ء بروز ہفتہ

"طیبات غوثی" کا ایک ورق

(از: الحاج حضرت سیدّی غوثی صاحبؒ)

انظرنا یارسول اللہ صلعم

حضورؐ کی جو نظر ایک بار ہوجائے
تو پھر غلام بھی اک شہر یار ہوجائے

حضورؐ کے قدم پاک پر جو دم نکلے
ابھی سکون دل بے قرار ہوجائے

نظر کا تیر وہ دلکش ہے میرے مولاؐ کا
خدا کرے یہ کلیجے کے پار ہوجائے

میرے حضورؐ کا نقش قدم جو دیکھے کہیں
تو جبرائیلؑ تڑپ کے نثار ہوجائے

نکل کے روضہ اقدس سے یاں بھی آجانا
مہک ادھر بھی نسیم بہار ہوجائے

نبیؐ کے عشق میں آنکھوں سے ٹپکے جو آنسو
ٹپکتے ہی وہ درشاہوار ہوجائے

جو داغ عشق نبیؐ لے کے قبر میں جاؤں
چمک کے وہ ہیں خورشید وار ہوجائے

نبیؐ کے عشق میں ایسی بڑھ مجھے وحشت
کہ جامہ ہستی کا یہ تار تار ہوجائے

جلوں میں آتش عشق نبیؐ میں یوں غوثیؔ
جگر بھی سینہ بھی دل داغدار ہوجائے

عظمت روضہ

(از: حضرت مولانا صحوی شاہ صاحب" ماخذ " نذرِ مدینہ ")

سر ترے در پہ جو رکھّا تو کہوں کیا دیکھا
پستیِ خاک کو بھی عرش معلّیٰ دیکھا

طوف کرتا کبھی رکتا کبھی بڑھتا دیکھا
پرِ فرشتے کو تری راہ میں بچھتا دیکھا

تیرے روضہ کے تصدق تیری جالی کے نثار
دہر میں کوئی نہ ایسا کہیں نقشہ دیکھا

بیقراری ترے دیدار میں بڑھتی ہی گئی
مثل سیماب ہر اک دل کو تڑپتا دیکھا

مدعیانِ شریعت ہوں کہ توحید انھیں
تیری منزل پہ ہر اک گام بھٹکتا دیکھا

سرفرازان زمانہ کو بھی تیرے آگے
خوف کھاتا ہوا سہما ہُوا ڈرتا دیکھا

شئے نے پائی ہے نمود اور ہُوا حق کا ظہور
تیری صورت کا عجب طور تماشا دیکھا

خالق کون و مکان کا بھی درود اور اسلام
تجھ پہ ہر آن ہر اک لمحہ اترتا دیکھا

اشک آلودہ دل افسردہ سر افگندہ نہیں
ہم نے صحویؔ کو بھی پائین میں بیٹھا دیکھا

گلکدہ خیال کا ایک ورق

محبوب نازنیاں صلی اللہ علیہ وسلم

از: مولانا غوثوی شاہ

○

سلطانِ تاجداراں	شہہِ شہانِ خوباں
نازِ ہمہ حسیناں	دلدارِ ــــــ دلربایاں
تجھ سے بہارِ عالم	دلِ بندِ صد گلستاں
تو ہی حیاتِ عالم	اے جان جملہ جاناں
سرتاجِ ماہ رویاں	سرخیل ــــــ جنگجویاں
سرتاج کج کلاہاں	محبوبِ ــــــ نازنیناں
اے صدر بزم امکان	اے میر محفلِ جاں
تقدیر جملہ اکواں	اے بخت خوش نصیباں
فردوس چشم بینا	اے پیک صد گلستاں
اے مالک غوثوینا	اے وجہ دین و ایماں

پیک (پیامبر) ۔ کج کلا (معشوق) ۔ اکوان (جملہ موجودات)

بخت (قسمت) ۔ دلبند (پیارا) ۔ سرخیل (سردار، امیر)
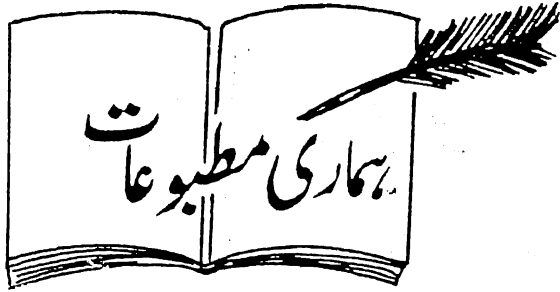
☆جام بہ جام☆ اسرار توحید ☆خرمن کمال ☆ کلماتِ کمالیہ ☆ رباعیات ابوالخیر مخزومی علیہ الرحمہ

حضرت مولانا غوثی شاہ صاحب قبلہؒ کی چند مشہور تصانیف

☆کلمہء طیبہ ☆ مقصد بیعت ☆ نور النور ☆ معیت الہٰ (تصوف)

☆طیباتِ غوثی (منظومات) ☆ مواعظِ غوثی

حضرت مولانا صحوی شاہ صاحب قبلہؒ کی چند مشہور تصانیف

☆سیرِ عبدیت (واقعہء معراج) ☆ نذر مدینہ (نعتیں) ☆ کتاب مبین (پارہ اول پارہ دوم)

☆تشریحی ترجمہ قرآن ☆ الم ترا تا والناس (منظوم ترجمہ قرآن)

☆گیارہ مجالس ☆ تقدیس شعر معہ اضافات ☆ تطہیر غزل (مجموعہ کلام)

☆اشارات سلوک (تعلیمات غوثیہ)

☆سلسلتہ النور (شجرہ بیعت) ☆ بدعت حسنہ ☆ ردِّ منافقت

حضرت مولانا غوثوی شاہ صاحب کی تصانیف

☆میزان طریقت ☆ رسول جہاںؐ ☆ اسرار الوجود ☆ تذکرہ نعمانؒ

☆تاریخ صوفی ☆ قرآن سے انٹرویو ☆ تاج الوظائف ☆ مراۃ العارفین

☆کبریت احمر ☆ جوہر سلیمانی ☆ عظمتِ مدینہ ☆ حج گائیڈ دیارین

☆کتابِ سلوک ☆ فیوضاتِ کمال ☆ تعلیمات صحویہ ☆ عقائد اہلِ سنت

May Allah Give Them Best Rewards

(MACHLI PATNAM)

★ Moulana Abdul Munaf Bilali Shah Saheb
★ Moulana Imam MohiuddinJameel Shah Sahab
★ Shaik Abdullah Shah Saheb
★ Janab Md. Amanullah (Vijaywada)
★ Shaik Fareed Saheb
★ Abdul Kaleem Saheb (Tailor)
★ Janab Asif Bhai
★ Janab Md. Habeeb Bilal
★ Janab Abdul Basith
★ Janab S.M. Khaleel Ahmed
★ Janab Sharfuddin (Fareed Textiles)
★ Janab Md. Ali Bilal
★ Janab S.K. Hameed Saheb
★ Janab Md. Khasim Saheb
★ Janab Akhtar Basha
★ Janab Rafi Ahmed
★ Janab Md. Iqbal (Tailor)
★ Janab Md. Vali
★ Janab Chand Basha (Gold Covering)
★ Janab Md. Adam Shabed (Builder)
★ Janab Md. Iliyas
★ Janab Muneer Saheb
★ Janab Md. Hyder Baig
★ Md. Siraj (Chicken Centre)
★ Janab Abdul Shareef
★ Janab S.K. Shafi (Syed Saheb)
★ Janab Siraj (Watch Repairer)
★ Jilani Cycle Taxi
★ Janab Md. Zikria Jamal Saheb (R.T.C.)
★ Janab Afsar Saheb (Silver)
★ Janab Md. Maqbool Saheb (Nickel)
★ Salama (Nickel)

★ Shaik Dawood Saheb (Zuhuri Shah)
★ Moulana Khaja Mohiuddin Sahab
★ Janab Syed Saheb
★ Janab Sarkar Jani Sahab
★ Janb Chisty Bhai
★ Janab Arif Bhai
★ Janab Abdul Majeed Saheb
★ Janab Yousuf
★ Janab Bashi Saheb (Vijaywada)
★ Janab Abdul Quddus (Electrician)
★ S.K. Abdul Rajid
★ Janab Inayathullah Shareef (Agarbati)
★ Janab Afzal Saheb
★ Md. Sardar Saheb (Gold Covering)
★ Janab Ashef Basha
★ Janab Ali Saheb (R.T.C.)
★ Janab Abdul Ghani Saheb
★ Janab Md. Vazir
★ Janab Haji Abdul Subhan Saheb
★ Janab Md. Kareemullah (Tailor)
★ Janab Abdul Rawoof (Tailor)
★ Janab Iliyas Basha
★ Janab Iqbal Hussain S/o. Vali Saheb
★ Janab Md. Dawood S/o. Syed Saheb
★ Janab Abdul Khaleel
★ Vijaywada Branch
★ Janab Md. Jani (Kautaram)
★ Sardar Bismilla Cycle Shop
★ Janab Md. Anwar Saheb
★ Janab Khaja Ameenuddin Saheb
★ Apsara Gold
★ Janab Sarwar Baig Saheb (Bajan)

★ Janab Abbas Shah Saheb (Dammam) ★ Janab Tahseen Bhai Saheb (Dammam)
★ Janab Hameeduddin Qureshi Saheb (U.S.A) ★ Janab Mohd. Hussain Saheb (Sharjah)
★ S.M.I. Amanullah Sahab (Yambu K.S.A.) ★ Janab Khaja Muneeruddin [illegible]

BOMBAY

- ★ Moulana Suroori Shah Sahab
- ★ Moulana Shahed Ali Shah Sahab
- ★ Moulana Ayinuddin Shah Sahab
- ★ Moulana Sharfuddin Shah Sahab
- ★ Moulana Dr. Sirajuddin Ishqui Shah Sahab
- ★ Janab Alambardar Sahab
- ★ Janab Meraj Sahab
- ★ Janab Feroz Bhai Sahab
- ★ Janab Asghar Ahmed Sahab
- ★ Shaik Saddu Bhai Sahab
- ★ Janab Jamal Bhai Sahab
- ★ Janab Anwar Bhai Sahab

SIRGUPPA

- ★ Janab Allah Bakhash
- ★ Janab K. Ghousi Sahab
- ★ Janab K. Siddiq Sahab

BELLARY

- ★ Alhaj Moulana Qureshi Shah Sahab
- ★ Janab Naseeruddin Shah Sahab
- ★ Moulana K. Abdul Ghani Shah Sahab
- ★ Janab Abdul Quddus Shah Sahab
- ★ Janab Fakhruddin Sahab (Sahvia Rice Mill)
- ★ Janab Mulla Ameer Sahab
- ★ Janab Basha Khan Sahab
- ★ Janab Mahboob Sahab
- ★ Janab Habeebullah Sahab
- ★ Janab Sultan Sahab
- ★ Janab Khalid Miyan Sahab
- ★ Janab Basharathullah Shah Sahab
- ★ Janab Ghouse Basha Sahab
- ★ Janab Lecturer K. Ahmed Sahab
- ★ Janaba Fouzia Bi Sahaba
- ★ Janab Sargarda Basheer Ahmed Sahab

BIDAR

- ★ Janab Mohd. Ghayasuddin Sahab
- ★ Janab Mohd. Moizuddin
- ★ Janab Mohd. Yousuf (Zulekha)
- ★ Janab Mohd. Osman Sahab
- ★ Janab Mohd. Shafiuddin Sahab
- ★ Janab Abdul Waheed Sahab
- ★ Janab Mohd. Shabbir Sahab

MANCHERIAL

- ★ Moulana Qader Mohiudddin Shah Sahab
- ★ Janab Sattar Sahab
- ★ Moulana Sultan Mohiuddin Shah Sahab
- ★ Janab Khaleel Bhai Sahab (K.S.A.)
- ★ Janab Yaseen Bhai Sahab

HYDERABAD

- ★ Janab Mohd. Imaduddin Sahab
- ★ Janab Daulath Khan Sahab
- ★ Moulana Abdul Quddus Shah Sahb
- ★ Moulana Azam Shah Sahab
- ★ Moulana Shah Mohd. Ghouse Sahab
- ★ Moulana Ghouse Mohiuddin Shah Sahab
- ★ Moulana S.M. Kareem Mohiuddin Shah Sahab
- ★ Moulana Md. Younus Shah Sahab
- ★ Moulana Akhtar Mohiuddin Shah Sahab
- ★ Moulana Rafiuddin Shah Sahab (Advocate)
- ★ Moulana Hasanuddin Shah Sahab
- ★ Moulana Abdul Razzak Sahab (Tahsildar)
- ★ Haji Razzak Seith Sahab
- ★ Janab Mohd. Ibrahim Sahab (Prop. Noor Cafe, Nacharam)
- ★ Janab Abdul Raheem Sahab
- ★ Janab Kamaluddin Sahab
- ★ Janab Junaid Sahab
- ★ Janab Mohd. Jawad Ali Khan Sahab
- ★ Janab Hakeem Ahmed Ali Sahab
- ★ Janab Qader Sahab
- ★ Janab Faisal Sahab
- ★ Janab Mohd. Athar Sahab
- ★ Janab M. A. Majeed Sahab

KARDA

- ★ Moulana Syed Mushtaq Hussain Qadri Sahab.

MADRAS

- ★ Moulana Moinuddin Shah Sahab
- ★ Moulana Ismail Shah Sahab
- ★ Moulana Shah Badaruddin Sahb

SANGAREDDY

- ★ Moulana Lateef Shah Sahab
- ★ Janab Abul Aziz Sharjil Sahab
- ★ Moulana Azam Shah Sahab
- ★ Janab Shaik Mahboob Sahab
- ★ Janab Aziz Khan Sahab
- ★ Janab Mohd. Mahboob Sahab

ZAHEERABAD

- ★ Moulana Syed Mazhar Ali Jeelani Shah Sahab
- ★ Moulana Ghouse Khan Sahab
- ★ Moulana Inayath Ali Shah Sahab (Sadasivpet)
- ★ Moulana Hakeem Abdul Hameed Sahab

سلام بحضور خیر الانامؐ

حضرت مولانا صحوی شاہ صاحب قبلہ کا مشہور و مقبول کلام

○

ثیرا نذیرا سلام علیکم — سراجا منیرا سلام علیکم

دھیروں کو غفلت کے اک نور بخشا — ڈرایا ہنسایا سلام علیکم

ل سے ہی اس در سے وابستگی ہے — غلاموں کے آقا سلام علیکم

میرت عطا کی گئی ہے تم ہی سے — تجلی مولا سلام علیکم

ے تم نے چاہا اسے حق نے چاہا — او رحمت سراپا سلام علیکم

ہارے تبسم کا پرتو یہ جنّت — نگارِ مدینہ سلام علیکم

ستانِ عالم میں نکہت بھی تم سے — بہارِ تمنا سلام علیکم

گاہوں کا نور اور روحوں کی راحت — دلوں کا دلارا سلام علیکم

ہ تم ہی تھے سو شان سے آگئے جو — نویدِ مسیحا سلام علیکم

نمہارے ہی نقشِ قدم کی تجلی — یہ دنیا وہ عقبیٰ سلام علیکم

ن عارض پہ قربان ہوں چاند سورج — تم ان کا اجالا سلام علیکم

نمہاری ہی زلفوں کی چھاؤں گھٹائیں — وہ لب برق آسا سلام علیکم

بس اب چوم لوں بڑھ کے دہلیز در کی — یہی ہے تمنا سلام علیکم

حضوری میں سر سے چلا آئے صحوی

اگر ہو بلاوا سلام علیکم

(ماخذ "تقدیس شعر")

حاملہ عورت سامنے موجود ہے۔ مگر اس کے بطن کے پے در پے حجابات کے اندر جن کو آنکھیں چاک نہیں کر سکتیں، کیا ہے؟ کس کو معلوم ہے۔

ویعلم مافی الارحام (لقمان۔۴)

اور اللہ جانتا ہے رحموں کے اندر جو ہے۔

آسمان و زمین میں اس وقت جو کچھ ہے، وہ سب زمانہ ء حال میں سب کے سامنے موجود ہے تاہم اس کا علم ہمارے حواس اور عقل کی محدود دسترس سے اس وقت تک باہر ہے جب تک ہمارے دیکھنے اور سننے اور جاننے کے لئے خدا نے جو طبعی شرائط بنا دیئے ہیں وہ پورے نہ ہوں۔

وللہ غیب السموات والارض (ہود۔۱۰)

اور خدا ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کا غیب۔

ان اللہ یعلم غیب السموت والارض (حجرات)

بے شک خدا جانتا ہے آسمانوں اور اور زمین کا غیب۔

(۴) عالم غیب کی آخری چیز وہ امور ہیں جو غیر مادی ہونے کی وجہ سے ہمارے حواس اور عقل کے تنگ دائرہ علم سے قطعاً باہر ہیں ہم فرشتوں کو نہیں دیکھتے، خدا کی رویت کی صلاحیت نہیں رکھتے، جنت، دوزخ ہم کو یہاں نظر نہیں آسکتی، یہ تمام امور بھی غیب ہیں۔

الذین یخشون ربھم بالغیب (انبیاء۔۴)

جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں غیب میں۔

الذین یومنون بالغیب (بقرہ۔۱)

وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں غیب میں

التی وعدالرحمان عبادہ بالغیب (مریم۔۴)

وہ جنت جس کا وعدہ اس مہربان خدا نے اپنے بندوں سے کیا ہے غیب میں۔

"غیب میں" کے معنی ہیں، بے جانے بن دیکھے حواس سے علم حاصل کئے بغیر اور باوجود اس کے کہ وہ چیزیں اس عالم میں دیکھی نہیں جاسکتی ہیں۔

پیغمبر کو اللہ تعالیٰ غیب کی جن باتوں سے آگاہ کرتا ہے وہ ان چاروں قسم کے امور غیب